عَائِشہ صِدّیِقہ رضی اللہ عنہا

امت کی عظیم معلمہ

مولانا وحیدالدّین خاں

عَائِشہ صِدّیقہ رضی اللہ عنہا

امت کی عظیم معلمہ

مولانا وحید الدّین خاں

Goodword Books

Aisha Siddiqah:
Ummat Ki Azeem Muallimah
By Maulana Wahiduddin Khan

Compiled by:
Prof. Farida Khanam

First published 2026
This book is copyright free

Goodword Books
A-21, Sector 4, Noida-201301, Delhi NCR, India
Mob. +91 8588822672
info@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com

CPS International
Centre for Peace and Spirituality International
1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110 013, India
Mob. +91-9999944119
info@cpsglobal.org
www.cpsglobal.org

Center for Peace and Spirituality USA
391 Totten Pond Road
Suite 402, Waltham MA 02451, USA
Mob. +1 617 960 7156
info@cpsusa.net

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	4
حضرت عائشہ کا مقام	7
تعلیم وتربیت	9
شخصیت کی تعمیر	12
حکیمانہ تربیت	18
اصلاح میں تدریج	20
رازداری	21
استنباطاتِ عائشہ	22
استدراکات عائشہ	30
روایتوں کی تصحیح	31
عمر نکاح کا مسئلہ	40
حضرت عائشہ کا نکاح	49
نکاح کی حکمت	51
سورۂ نور کی روشنی میں	54
دین کے نام پر بے دینی	60
ایک مثالی نمونہ	63

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ ہجرت سے آٹھ سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئیں۔ 66 سال کی عمر میں 58ھ میں انتقال کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس سے پہلے مطعم بن عدی اپنے بیٹے جُبَیر سے عائشہ کے نکاح کا پیغام دے چکے ہیں۔ اس کو میں نے منظور بھی کرلیا ہے۔ اور خدا کی قسم ابوبکر نے کبھی کسی وعدہ کے خلاف نہیں کیا: وَاللّٰهِ، مَا أَخْلَفَ أَبُو بَكْرٍ وَعْدًا قَطُّ (دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 2، صفحہ 411)۔

حضرت ابوبکر صدیق اس کے بعد مطعم کے یہاں جا کر اس سے ملے۔ اس سے پوچھا کہ عائشہ سے اپنے بیٹے کے نکاح کی بابت تمہارا کیا خیال ہے۔ مطعم نے اپنے بیوی سے کہا کہ اس معاملے میں تم کیا کہتی ہو۔ بیوی نے حضرت ابوبکر سے مخاطب ہوکر کہا کہ تم سے رشتہ کرنے میں مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہیں میرا لڑکا صابی (بے دین) ہوجائے اور اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر تمہارے مذہب (اسلام) میں داخل ہوجائے۔ ابوبکر دوبارہ مطعم بن عدی سے مخاطب ہوئے اور پوچھا کہ اے مطعم، تم کیا کہتے ہو۔ مطعم نے جواب دیا کہ میری بیوی نے جو کچھ کہا وہ آپ نے سن لیا۔

اس طرح مطعم اور اس کی بیوی دونوں نے رشتہ سے انکار کردیا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر نے سمجھ لیا کہ وعدہ کی ذمہ داری ان کے اوپر نہیں ہے۔ اب حضرت ابوبکر نے خولہ سے کہہ دیا کہ تمہارا پیغام مجھے منظور ہے۔ اس کے بعد مقررہ وقت پر رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر گئے، وہاں عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح ہوا۔ مہر پانچ سو درہم مقرر ہوا۔

اس واقعہ میں یہ سبق ہے کہ معاشرتی معاملات میں اگر کبھی کوئی بات ٹوٹ جائے تو اس سے دل گرفتہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد کوئی نیا خیر نکلنے والا ہو۔ چنانچہ سردارِ مکہ کے لڑکے سے عائشہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ ٹوٹا، مگر اس کے بعد انھیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی بننے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ سے بہت چھوٹی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد وہ تقریباً 50 سال تک زندہ رہیں۔ اس نامساوی نکاح کی مصلحت یہ تھی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا بے حد ذہین تھیں۔ ان کے اندر اخذ (grasp) کی بے پناہ صلاحیت تھی۔ اس نکاح نے ان کی خداداد صلاحیت کو سارے عالم کے لیے مفید بنا دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تقریباً دس سال رہیں۔ اس مدت میں انھوں نے رات دن آپ کو دیکھا اور آپ کی تمام باتیں سنیں۔ اس طرح علمِ دین اور حکمتِ اسلام کا بہت بڑا ذخیرہ ان کے دماغ میں جمع ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد انھوں نے اس علم نبوی کو امت تک پہنچایا۔ وہ تقریباً نصف صدی تک زندہ ٹیپ ریکارڈر بنی رہیں۔

حافظ ابن حجر ان کی بابت لکھتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش ہجرت سے تقریباً آٹھ سال پہلے ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو وہ تقریباً 18 سال کی تھیں۔ انھوں نے آپ سے بہت سی باتیں یاد رکھیں اور آپ کے بعد تقریباً 50 سال تک زندہ رہیں۔ لوگوں نے ان سے بہت زیادہ باتیں اخذ کیں۔ اور احکام و آداب میں سے بہت سی

چیزیں ان سے نقل کیں۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ احکامِ شریعت کا چوتھائی حصہ ان سے نقل کیا گیا ہے۔ ان کی وفات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں 58ھ میں ہوئی (سیر اعلام النبلاء للذہبی، جلد2، صفحہ 192)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہت زیادہ منقول نہیں ہیں۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہر بات کو نہایت غور سے سنا۔ آپ کے ہر عمل کو نہایت توجہ سے دیکھا اور پھر اپنی خداداد ذہانت سے اس کی حکمتیں معلوم کیں۔ ان کا کلام اسلامی حکمت اور معرفت کا خزانہ ہے۔ مثال کے طور پر انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب بھی دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوتا تو آپ ہمیشہ دونوں میں سے آسان کا انتخاب فرماتے تھے۔ ان کے اس ایک قول میں معانی کا خزانہ چھپا ہوا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ذہانت کو خالص اسلام کے لیے استعمال کیا۔ اسی کے ساتھ انھوں نے زہد کو اپنا شعار بنایا۔ بعد کے زمانہ میں آپ کے پاس کثرت سے مال آتا تھا۔ مگر آپ سارا مال لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتی تھیں اور خود نہایت سادہ زندگی گزارتی تھیں۔ ایک بار حضرت عبداللہ بن الزبیر نے ان کے پاس ایک لاکھ 80 ہزار درہم بھیجے۔ آپ نے سارا درہم شام تک خیرات کر دیا۔ جب کہ اس دن آپ روزہ سے تھیں اور گھر میں روٹی اور زیتون کے تیل کے سوا کوئی اور چیز موجود نہ تھی۔ خادمہ نے کہا کہ آپ کچھ درہم بچا کر گوشت منگا لیتیں تو اچھا ہوتا۔ فرمایا کہ تم نے پہلے یاد دلایا ہوتا تو منگا لیتی (الزہد لہناد بن السری، اثر نمبر 619)۔

یہ زہد ہی حکمت کا دروازہ ہے۔ جو یہ چاہتا ہو کہ خدائی معرفت اور اسلامی حکمت

کا چشمہ ان کے ذہن میں جاری ہوا اُس کو اس دنیا میں مادی چیزوں سے بے رغبت ہو کر رہنا ہوگا۔ (الرسالہ، مارچ 1996)

حضرت عائشہ کا مقام

عائشہ بنت ابی بکر کو اسلام کی تاریخ میں خاتونِ اوّل (first lady) کا مقام حاصل ہے۔ عائشہ صدیقہ قرآن کی ایک بڑی عالمہ تھیں۔ علم حدیث میں ان کو مجتہدانہ حیثیت حاصل تھی۔

عائشہ صدیقہ کے والد ابوبکر بن قحافہ تھے اور اُن کی والدہ کا نام ام رومان بنت عامر تھا۔ وہ مکہ میں نبوت کے پانچویں سال پیدا ہوئیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اس سلسلہ میں مختلف روایتوں کا جائزہ لے کر بتایا ہے کہ اُن کی تاریخ پیدائش غالباً شوال 9 قبل ہجرت مطابق جولائی 614ء ہے (سیرت عائشہ، سید سلیمان ندوی، مطبوعہ شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، صفحہ 19)۔

عائشہ صدیقہ کا حافظہ بہت غیر معمولی تھا۔ اُن کو اپنے بچپن کے زمانہ تک کی اکثر باتیں یاد تھیں۔ عرب شعرا کا کلام اُن کو اتنا زیادہ یاد تھا کہ اکثر معاملات میں وہ کوئی نہ کوئی شعر پڑھ دیا کرتی تھیں۔ اپنے اہل خاندان کے ساتھ نبوت کے تیرہویں سال پیغمبر اسلام نے ابوبکر صدیق کے ساتھ ہجرت فرمائی۔ عائشہ صدیقہ بھی اپنے اہل خاندان کے ساتھ مکہ سے مدینہ آ گئیں۔ قوت حافظہ کے ساتھ ساتھ وہ غیر معمولی طور پر اخّاذ تھیں۔ ہجرت کے وقت اُن کی عمر صرف آٹھ سال تھی۔ لیکن اس کم عمری میں اُن کی قوت حافظہ کا یہ حال تھا کہ ہجرت نبوی کے تمام واقعات بلکہ تمام جزئی باتیں اُن کو یاد تھیں۔ اُن سے

بڑھ کر کسی صحابی نے ہجرت کے واقعات کا مسلسل بیان محفوظ نہیں رکھا ہے۔ عائشہ صدیقہ کے بارے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 3433)۔ یعنی، عائشہ کی فضیلت دوسری تمام عورتوں پر ویسی ہی ہے جیسے کہ ثرید کی فضیلت دوسرے کھانوں پر۔

پیغمبر اسلام کا پہلا نکاح مکہ میں خدیجہ بنت خویلد سے ہوا جب کہ آپ کی عمر 25 سال تھی۔ ہجرت سے تین سال پہلے خدیجہ کی وفات ہوگئی۔ اُس کے بعد آپ کا دوسرا نکاح عائشہ بنت ابی بکر سے ہوا۔ اس نکاح میں پیغام رسانی کا کام خولہ بنت حکیم نے کیا تھا۔ حدیث کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ صدیقہ کا نکاح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں ہوا۔ اُس وقت عائشہ صدیقہ کی عمر 6 سال تھی۔ آپ کی رخصتی ہجرت کے بعد مدینہ میں ہوئی۔ اُس وقت آپ کی عمر نو سال ہو چکی تھی (مسند احمد، حدیث نمبر 24867)۔

عائشہ صدیقہ کا نکاح خود اُن کے والد ابوبکر صدیق نے پڑھایا (مستدرک الحاکم، حدیث نمبر 2704)۔ روایات کے مطابق، آپ کی مہر پانچ سو درہم تھی (صحیح مسلم، حدیث نمبر 1426)۔ قدیم زمانہ میں عرب میں تعلیم کا رواج نہ تھا۔ بہت کم لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اس قلیل تعداد میں ایک نام ابوبکر صدیق کا تھا۔ اس خاندانی روایت کی بنا پر عائشہ صدیقہ کو بھی یہ موقع ملا کہ وہ لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیں۔ چنانچہ وہ قرآن کو دیکھ کر پڑھتی تھیں۔ بعض روایات کے مطابق، ان کو لکھنا بھی آتا تھا۔ چنانچہ وہ خط کا جواب تحریری شکل میں دے سکتی تھیں۔ (عورت معمارِ انسانیت)

تعلیم وتربیت

عائشہ صدیقہ کے حالات میں بتایا گیا ہے کہ وہ علمی اعتبار سے صحابہ کے درمیان ایک ممتاز حیثیت رکھتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ —— وہ مسلم خواتین میں سب سے بڑی فقیہ تھیں اور دین وادب میں وہ اُن سب سے زیادہ علم رکھتی تھیں:

أَفْقَهُ نِسَاءِ الْمُسْلِمِينَ وَأَعْلَمُهُنَّ بِالدِّينِ وَالْأَدَبِ (الاعلام، للزِرکلی، جلد 3 صفحہ 240)۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:

كَانَتْ عَائِشَةُ، أَفْقَهَ النَّاسِ وَأَعْلَمَ النَّاسِ وَأَحْسَنَ النَّاسِ رَأْيًا فِي الْعَامَّةِ (مستدرک الحاکم، حدیث نمبر 6748)۔ یعنی، عائشہ لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ، سب سے زیادہ صاحب علم اور عوام میں سب سے اچھی رائے والی خاتون تھیں۔

ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں:

مَا أَشْكَلَ عَلَيْنَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثٌ قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ إِلاَّ وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا (سنن الترمذی، حدیث نمبر 3883)۔ یعنی، اصحاب رسول کو جب بھی کسی مسئلہ میں کوئی اشکال ہوتا تو ہم عائشہ رضی اللہ عنہا سے اُس کی بابت پوچھتے اور اُن کے پاس ہم اُس کے بارے میں کوئی علم پالیتے۔

عائشہ صدیقہ کے علم کے بارے میں اس طرح کی باتیں حدیث وسیرت کی

کتابوں میں آئی ہیں۔ اُن سے ایک اہم مسئلہ معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ اسلام میں خواتین کی تعلیم کی اہمیت کا مسئلہ ہے۔ عائشہ صدیقہ کو یہ علم پیدائشی طور پر نہیں ملا تھا اور نہ مِل سکتا تھا۔ یقینی طور پر اُن کو یہ علم اُس وقت اسلامی معاشرہ میں حاصل ہوا۔

عائشہ صدیقہ کے والد ابوبکر صدیق قدیم عرب کے اُن ڈیڑھ درجن افراد میں شمار کیے جاتے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ چنانچہ عائشہ صدیقہ کا پہلا تعلیمی ادارہ خود ان کا گھر بنا۔ اپنے والد سے اُنہوں نے حکیمانہ اشعار اور عرب خطبا کے کلام کو سنا اور ان کو حفظ کرلیا۔ اسی طرح اُنہوں نے اپنے والد سے علم الأنساب سیکھا جو گویا عرب تاریخ کا علم حاصل کرنے کے ہم معنیٰ تھا۔ نکاح کے بعد جب وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی صحبت میں آئیں تو اُن کو یہ موقع ملا کہ وہ پیغمبر اسلام جیسے معلمؐ سے علم حاصل کریں۔ چنانچہ یہ سلسلہ ہر دن کسی نہ کسی صورت میں جاری رہتا تھا۔ اس حلقۂ درس کی مثالیں کثرت سے حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

اس کے علاوہ عائشہ صدیقہ کی رہائش گاہ جو ایک حجرہ پر مشتمل تھی وہ قدیم مسجد نبوی سے بالکل متصل واقع تھی۔ پیغمبر اسلام کی تعلیمی مجلسیں جو ہر روز مسجد میں جاری رہتی تھیں وہ اپنے حجرہ میں رہتے ہوئے ان کو سنا کرتی تھیں۔

دینی علوم کی تعلیم کا کوئی وقت مخصوص نہ تھا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی صحبت شب وروز اُن کو حاصل تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے حلقے روزانہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتے تھے۔ عائشہ صدیقہ کا حجرہ اس سے بالکل قریب تھا۔ اس بنا پر آپ گھر سے باہر بھی لوگوں کو جو درس دیتے تھے، وہ اس میں شریک رہتی تھیں۔ اگر کبھی دوری کی وجہ سے

کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو رسول اللہ ﷺ جب حجرہ میں آتے تو وہ اس کو دریافت کر لیتیں۔ کبھی اُٹھ کر مسجد کے قریب چلی جاتیں۔ اس کے علاوہ آپ نے عورتوں کی درخواست پر ہفتہ میں ایک خاص دن ان کی تعلیم وتلقین کے لیے متعین فرما دیا تھا۔

اس طرح کے حوالے جو عائشہ صدیقہ کی نسبت سے حدیث وسیر کی کتابوں میں آئے ہیں، وہ صرف خاتون اوّل کی سیرت کو نہیں بتاتے بلکہ خود اسلامی معاشرہ کی ایک خصوصیت کو بتاتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ نہ صرف مردوں کے لیے بلکہ عورتوں کے لیے بھی ایک وسیع تر تعلیم گاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس معاشرہ میں خواتین کی تعلیم کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ ان کو اپنے علمی شوق کی تکمیل کے مواقع دیے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک خاتون اپنی محنت کے ذریعہ علم میں مردوں سے بھی آگے بڑھ جائے، جیسا کہ عائشہ صدیقہ کے ساتھ پیش آیا۔

تعلیم وتربیت کے معاملہ میں عائشہ صدیقہ کی حیثیت ایک منفرد یا استثنائی شخصیت کی نہیں ہے، بلکہ وہ اس معاملہ میں ایک رول ماڈل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ علم کے میدان میں ان کی سبقت مسلم خواتین کے لیے ایک رہنما مثال ہے۔

پیغمبر ﷺ سے براہ راست دینی تربیت حاصل کرنے کا موقع جتنا زیادہ عائشہ صدیقہ کو ملا، شاید کسی مرد یا عورت کو نہیں ملا۔ مزید یہ کہ عائشہ صدیقہ اس وقت اپنی ابتدائی عمر میں تھیں۔ اس لیے وہ اُس ذہنی مسئلہ سے مکمل طور پر محفوظ تھیں جس کو نفسیات کی اصطلاح میں کنڈیشننگ (conditioning) کہا جاتا ہے۔ عمر کے لحاظ سے وہ اس پوزیشن میں تھیں کہ وہ ہر بات کو بے آمیز ذہن سے سنیں اور وہ فوراً اُن کے ذہن کا جزء بن جائے۔ اسی کے ساتھ عائشہ نہایت ذہین اور اخّاذ طبیعت کی مالک تھیں۔ اس

لیے وہ پیغمبر اسلام کی ہر بات کو اُس کی پوری گہرائی کے ساتھ سمجھ لیتیں۔ پیغمبر اگرچہ ہمیشہ جوامع الکلِم (concise and comprehensive speech) کی زبان میں گفتگو فرماتے تھے، مگر وہ اپنی غیر معمولی قوت استنباط (exceptional power of inference) کی بنا پر اُس کو اُس کے تمام تفصیلی پہلوؤں کے ساتھ سمجھ لیتی تھیں اوراس کو اپنے حافظہ میں محفوظ رکھتی تھیں۔

عائشہ صدیقہ کو پیغمبر اسلام ﷺ سے استفادہ کا جو خصوصی موقع ملا اُسی کا نتیجہ تھا کہ وہ دین کی فہم وبصیرت میں اتنی ممتاز بن گئیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بڑے بڑے صحابہ اُن سے رجوع کرتے اور اُن کے ذریعہ حکمتِ نبوت کی تعلیم حاصل کرتے۔ (عورت معمارِ انسانیت)

شخصیت کی تعمیر

عائشہ صدیقہ اسلام کی تاریخ میں ایک استثنائی شخصیت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ شخصیت کیسے بنی اس کی تفصیلات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ عائشہ صدیقہ قرآن کا مسلسل مطالعہ کرتی رہتی تھیں۔ اُن کی زندگی کا کوئی اور مقصد نہ تھا۔ مزید یہ کہ اُن کے لیے حصولِ علم کا سب سے بڑا ذریعہ براہِ راست پیغمبر اسلام سے استفادہ تھا۔ اس استفادہ کا سلسلہ مختلف صورتوں میں برابر جاری رہتا تھا، دن کے اوقات کے علاوہ رات کے لمحات میں بھی۔

اس معاملہ کی ایک مثال اس روایت میں ملتی ہے جس میں عائشہ صدیقہ خود بیان کرتی ہیں کہ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر سے پہلے کی دو رکعت نماز پڑھتے۔ اُس

وقت اگر میں بیدار ہوتی تو وہ مجھ سے بات کرتے ورنہ آپ لیٹ جاتے:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، فَإِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِي، وَإِلَّا اضْطَجَعَ (صحیح مسلم، حدیث نمبر 743)۔

اس روایت میں عائشہ صدیقہ نے حدثنی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ مجھ سے حدیث بیان کرتے تھے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ مجھ سے گفتگو کرتے تھے۔ یہ گفتگو یقینی طور پر دینی اور علمی موضوعات پر ہوتی تھی، عائشہ صدیقہ خود بھی اس کی ایک حصہ دار ہوتی تھیں۔ گویا یہ ایک قسم کا فکری تبادلہ (intellectual exchange) ہوتا تھا۔ اس طرح یہ ممکن ہوا کہ عائشہ صدیقہ کے اندر ذہنی ارتقا کا عمل (process) مسلسل طور پر جاری رہے۔ یہاں تک کہ ان کے اندر وہ اعلیٰ صفت پیدا ہو جائے جس کے تحت وہ اسلام کی تاریخ میں اُس رول کو ادا کرسکیں جو انھوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد نصف صدی تک ادا کیا۔ رات کی تنہائی کے اس قیمتی وقت کو پیغمبر اسلام ﷺ اس طرح استعمال فرماتے کہ آپ عائشہ صدیقہ کی فکری اور روحانی تربیت کرتے۔ یعنی وہی چیز جس کو قرآن میں تزکیہ اور تعلیمِ حکمت بتایا گیا ہے۔

اس معاملہ کی مزید وضاحت کے لیے یہاں حدیث اور سیرت کی کتابوں سے کچھ مزید حوالے نقل کیے جاتے ہیں۔ ان سے اندازہ ہوگا کہ زمانۂ نبوت میں عائشہ صدیقہ کی شخصیت کی کس طرح تعمیر ہوئی۔

عائشہ صدیقہ کا تبادلۂ خیال پیغمبر اسلام سے کس طرح ہوتا تھا، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک بار پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا کہ: مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ

(جس کا حساب لیا گیا وہ عذاب میں مبتلا ہوا)۔ عائشہ صدیقہ نے اس سلسلہ میں سوال کیا کہ اے خدا کے رسول، خدا نے قرآن میں اس کے بجائے یہ فرمایا ہے کہ: فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا (84:8)۔یعنی آپ مطلق طور پر فرمار ہے ہیں کہ حساب کے بعد آدمی بچ نہیں سکتا۔ حالاں کہ قرآن کے بیان کے مطابق، حساب کے بعد بھی آدمی عذاب سے بچ سکتا ہے۔پیغمبر اسلام نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ اعمال میں پیشی کی بات ہے۔لیکن جس کے اعمال میں جرح وقدح شروع ہوئی تو وہ ہلاک ہوا (صحیح البخاری، حدیث نمبر 103)۔ اس مثال سے اندازہ ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام سے استفادہ میں عائشہ کی حیثیت محض سامع کی نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ وہی چیز تھی جس کو تبادلۂ خیال کہا جاسکتا ہے۔

اس طرح عائشہ صدیقہ نے ایک موقع پر پیغمبر اسلام سے یہ سوال کیا کہ مشرکین نے اگر کوئی نیک کام کیا ہے تو اس کی جزا اُن کو ملے گی یا نہیں۔اس سلسلہ میں عائشہ صدیقہ نے عبد اللہ بن جدعان کی مثال دی۔ وہ مشرک تھا اور شرک کی حالت ہی میں اُس کا انتقال ہوا۔مگر وہ ایک اعلیٰ اخلاق کا آدمی تھا۔ وہ لوگوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ عائشہ صدیقہ نے سوال کیا کہ کیا عبد اللہ بن جدعان کا یہ اخلاقی عمل اُس کو آخرت میں فائدہ دے گا۔پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ نہیں۔کیوں کہ اُس نے کبھی یہ نہیں کہا کہ — رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ (صحیح مسلم، حدیث نمبر 214)۔یعنی، اے میرے رب، جزا کے دن تو میرے گناہوں کو معاف فرما۔

اس سلسلہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار یہ فیصلہ فرمایا کہ وہ ایک ماہ تک اپنی ازواج سے الگ رہیں گے۔اس کو تاریخ میں ایلاء کا واقعہ کہا جاتا ہے۔ یہ اعلان کر کے آپ ایک قریبی مکان چھت کے کمرہ میں چلے گئے۔ ایلاء کا یہ

معاملہ ہجری مہینہ کی یکم تاریخ کوشروع ہوا۔ 29 دن پورا ہونے کے بعد آپ ﷺ بالاخانہ سے اُترے۔ جب آپ عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں آئے تو اُنہوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول، آپ نے تو ایک مہینہ تک الگ رہنے کو کہا تھا اور ابھی مہینہ کے تیس دن پورا ہونے میں ایک روز باقی ہے (يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّكَ كُنْتَ قَدْ أَقْسَمْتَ أَنْ لَا تَدْخُلَ عَلَيْنَا شَهْرًا، وَإِنَّمَا أَصْبَحْتَ مِنْ تِسْعٍ وَعِشْرِينَ لَيْلَةً أَعُدُّهَا عَدًّا)۔ آپ نے فرمایا کہ مہینہ 29 دن کا بھی ہوتا ہے اور جبرئیل نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ آج چاند ہو گیا (صحیح البخاری، حدیث نمبر 2468؛ سنن النسائی، حدیث 2133)۔

عائشہ صدیقہ کے مذکورہ سوال وجواب سے ایک مزید دینی مسئلہ معلوم ہوتا ہے جس کا تعلق رویتِ ہلال سے ہے۔ اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ نئے چاند کے معاملہ میں اگر عینی مشاہدہ نہ ہوا ہو، تاہم قابلِ اعتماد خبر سے 29 تاریخ کو معلوم ہو جائے کہ چاند ہو گیا ہے تو اُس کو تسلیم کرلیا جائے گا اور اُس کی بنیاد پر عبادت کا نظام قائم کیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں بالواسطہ رویت کی اہمیت بھی اُتنی ہی ہے جتنی کہ براہ راست روایت کی اہمیت۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا۔ آنے دو، وہ اپنے خاندان میں بُرا ہے (بِئْسَ أَخُو الْعَشِيرَةِ)۔ جب وہ آکر بیٹھا تو آپ نے اس سے نرمی کے ساتھ گفتگو کی۔ عائشہ صدیقہ کو تعجب ہوا۔ جب وہ چلا گیا تو عائشہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول، آپ تو اس کو اچھا نہیں جانتے تھے، لیکن جب وہ آیا تو آپ نے اس سے نرمی کے ساتھ گفتگو کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ، سب سے بُرا آدمی وہ ہے جس کی بداخلاقی سے ڈر کر لوگ اُس سے ملنا چھوڑ

دیں: إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ شَرِّهِ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 6032)۔

ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ اعتدال کے ساتھ کام کرو۔ لوگوں کو اپنے نزدیک کرو اور خوش خبری سُناؤ کہ لوگوں کا عمل اُن کو جنت میں نہ لے جائے گا۔ عائشہ صدیقہ کو یہ آخری بات عجیب معلوم ہوئی۔ وہ سمجھیں کہ جو لوگ معصوم ہیں وہ تو اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ، کیا آپ کو بھی نہیں۔ فرمایا کہ نہیں، لیکن یہ کہ خدا اپنی مغفرت اور رحمت سے مجھے ڈھانک لے: وَلَا أَنَا، إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللّٰهُ بِمَغْفِرَةٍ وَرَحْمَةٍ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 6467)۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ کے پاس چند یہودی آئے۔ انہوں نے السلام علیک (تم پر سلامتی ہو) کے بجائے زبان دبا کر السَّامُ عَلَيْكَ (تم کو موت آئے) کہا۔ عائشہ سُن رہی تھیں۔ وہ ضبط نہ کرسکیں اور بولیں: عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ (تم پر موت اور لعنت)۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ تم کو نرمی اختیار کرنا چاہیے۔ خدا ہر بات میں نرمی پسند کرتا ہے (صحیح البخاری، حدیث نمبر 6395)۔

ایک روایت کے مطابق، عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ ایک مجلس میں صفیہ (زوجۂ رسول) کا ذکر ہوا۔ صفیہ کسی قدر پستہ قد تھیں۔ عائشہ صدیقہ نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ صفیہ تو بس اِتنی ہیں (یعنی وہ پستہ قد ہیں)۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ تم نے ایسی بات کہی کہ اگر وہ سمندر میں ڈال دی جائے تو سمندر کا پانی بھی آلودہ ہو جائے: لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ (سنن ابو داؤد، حدیث نمبر 4875)۔

اسی طرح کی ایک اور روایت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے جس میں پیغمبر اسلام

نے عائشہ صدیقہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: إِيَّاكِ وَمُحَقِّرَاتِ الذُّنُوبِ (مسند احمد، حدیث نمبر 25177)۔ یعنی، تم چھوٹے گناہوں سے بچو۔

ان دونوں روایتوں سے ایک نہایت اہم بات معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ آدمی کو اُن گناہوں سے بھی بچنے کا شدید اہتمام کرنا چاہیے جن کو لوگ معمولی سمجھتے ہیں اور بار بار اُس میں ملوث ہوتے رہتے ہیں۔ کیوں کہ اس طرح کی عادت عورت یا مرد کو گناہوں کے بارے میں غیر حساس بنا دیتی ہے۔ اور جو عورت یا مرد چھوٹے گناہ کے بارے میں حساسیت کھو دے وہ آسانی سے بڑے گناہ میں بھی مبتلا ہو جائے گا۔

ایک موقع پر آپ نے دعا مانگی: اے اللہ، مجھے مسکین زندہ رکھ اور حالتِ مسکینی ہی میں موت دے، اور مسکینوں کے ساتھ قیامت میں اٹھا (اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مِسْكِينًا، وَأَمِتْنِي مِسْكِينًا، وَاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِينِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)۔ عائشہ صدیقہ نے عرض کیا کہ یہ کیوں، یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا کہ مسکین، دولتمندوں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ اے عائشہ، تم کسی کو خالی ہاتھ واپس نہ کرنا، اگرچہ وہ چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ مسکینوں سے محبت رکھو اور اُن کو اپنے پاس جگہ دیا کرو: يَا عَائِشَةُ لَا تَرُدِّي الْمِسْكِينَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، يَا عَائِشَةُ أَحِبِّي الْمَسَاكِينَ وَقَرِّبِيهِمْ (سنن الترمذی، حدیث نمبر 2352)۔

مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام اور عائشہ صدیقہ کے درمیان صحبت کا جو تعلق تھا وہ سادہ طور پر تکلم اور سامع کا تعلق نہ تھا۔ بلکہ وہ دوطرفہ گفتگو اور تبادلۂ خیال کا تعلق تھا۔ یہ گویا ایک قسم کا مذاکرہ تھا۔ اس مذاکرہ کے دوران باتوں کی وضاحت ہوتی تھی۔ سوال و جواب کی صورت میں معاملہ کے مختلف گوشے واضح ہوتے تھے۔

قرآن میں رسول کے چار کام بتائے گئے ہیں جن میں سے ایک تزکیہ (آل عمران، 3:164) ہے۔ تزکیہ سے مراد کوئی پُراسرار (mysterious) چیز نہیں۔ وہ ایک معلوم چیز ہے۔ اس سے وہی چیز مراد ہے جس کو ذہنی ارتقاء (intellectual development) کہا جاتا ہے۔ ذہنی ارتقاء ہی کے ایک نتیجہ کا نام روحانی ارتقاء ہے۔ عائشہ صدیقہ کو یہ تمام فکری اور روحانی فائدے پیغمبر اسلام سے مسلسل استفادہ کے ذریعہ حاصل ہوئے۔ (عورت معمارِ انسانیت)

حکیمانہ تربیت

انسان کی زندگی میں ابتدائی تقریباً دس سال کو حیاتیاتی اعتبار سے تیاری کا دور (formative period) کہا جاتا ہے۔ اس ابتدائی دورِ حیات میں انسان کی شخصیت کا بڑا حصہ عملاً بن کر تیار ہوجاتا ہے۔ انسان کی زندگی میں یہ ابتدائی مدت، تربیت کے نقطۂ نظر سے بہت زیادہ اہم ہے۔

پیغمبر اسلام نے اس تربیتی مقصد کے لیے اپنی زندگی میں دو اشخاص کو خصوصی طور پر چنا۔ ایک، علی ابن ابی طالب اور دوسرے، عائشہ بنت ابی بکر۔ دونوں کو آپ نے یہ موقع دیا کہ وہ کم عمری میں آپ کی صحبت میں رہ کر تربیت پائیں، اور وہ چیز حاصل کریں جس کو قرآن (2:129) میں حکمتِ رسول (prophetic wisdom) کہا گیا ہے۔

حکیمانہ تربیت کا یہ مقصد صرف کم عمری میں حاصل کیا جاسکتا تھا۔ آپ نے علی ابن ابی طالب کو اپنی صحبت میں رکھنے کا یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ آپ کم عمری میں ان کے کفیل بن گئے۔ عائشہ ایک خاتون تھیں، اس لیے ان کے لیے یہ طریقہ قابلِ عمل نہ

تھا۔ چنانچہ آپ نے عائشہ بنت ابی بکر سے کم عمری میں نکاح کرلیا۔ روایات کے مطابق، یہ نکاح اس وقت ہوا جب کہ عائشہ کی عمر چھ سال تھی، اور رخصتی اس وقت ہوئی جب کہ ان کی عمر نو سال ہو چکی تھی (صحیح البخاری، حدیث نمبر 5188)۔

کچھ لوگوں نے عائشہ کی عمرِ نکاح کے بارے میں تاویل کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ مگر یہ ایک غیر ضروری کوشش ہے۔ یہ زاویۂ نظر کے فرق کا معاملہ ہے۔ یہ لوگ اس واقعہ کو نکاح کے زاویۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ مگر اپنی حقیقت کے اعتبار سے یہ تیاری کی مدت (formative period) میں پیغمبرانہ تربیت کا معاملہ ہے۔

نتیجہ اس توجیہ کی تصدیق کرتا ہے۔ چنانچہ یہ بات علما کے درمیان ایک ثابت شدہ حقیقت سمجھی جاتی ہے، یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ علی اور عائشہ، دونوں بصیرت اور تفقہ کے اعتبار سے تمام صحابہ میں امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔

رسول سے استفادے کی ایک صورت یہ تھی کہ آپ کے اقوال کو محفوظ کرلیا جائے، اور اس کو لوگوں سے بیان کیا جائے۔ اس معاملہ میں ابوہریرہ امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسری صورت یہ تھی کہ رسول اللہ کی باتوں کو سن کر اور آپ کے عمل کو دیکھ کر حقائق کا استنباط کیا جائے۔ یہ دوسرا فائدہ صرف متواتر صحبت کے ذریعے حاصل ہوسکتا تھا۔ اس دوسرے مقصد کے لیے علی ابن ابی طالب اور عائشہ بنت ابی بکر کا کم عمری میں انتخاب کیا گیا۔

مثال کے طور پر علی ابن طالب کا ایک قول ان الفاظ میں آیا ہے: قِيمَةُ كُلِّ امْرِئٍ مَا يُحْسِنُ (جامع بیان العلم وفضلہ، حدیث نمبر 609-608)۔ یہ بات ان الفاظ میں کسی حدیث رسول میں نہیں آئی ہے۔ یہ رسول کی صحبت سے مستنبط کی ہوئی ایک حکمت ہے۔ اس بات کو اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ کسی انسان کی قدر و قیمت اس

اعتبار سے متعین ہوتی ہے کہ وہ اپنے کام کو کتنے امتیاز کے ساتھ انجام دیتا ہے:

The value of a person lies in his excellence.

یہی معاملہ عائشہ بنت ابی بکر کا ہے۔ حضرت عائشہ کے استنباطات مشہور ہیں۔ یہ تمام استنباطات اعلیٰ حکمت کا نمونہ ہیں۔ وہ رسول اللہ کی صحبت سے اخذ کی ہوئی حکمت کی باتیں ہیں۔ مثلاً حضرت عائشہ کا یہ حکیمانہ قول:

مَا خُيِّرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا (صحیح البخاری، حدیث نمبر 6786)۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوتا تو آپ ہمیشہ آسان تر کا انتخاب کرتے تھے:

Whenever the Prophet had to choose between two options, he would always choose the easier one.

رسول اللہ سے سنی ہوئی باتوں کو حدیث کہا جاتا ہے۔ علی اور عائشہ کا امتیاز استنباط کے پہلو سے ہے۔ انھوں نے رسول اللہ کی صحبت میں رہ کر حکمت کی باتیں اخذ کیں۔ اوران کو اپنی زبان میں بیان کیا۔ کم عمری میں ان دونوں صاحبان کے لیے صحبت رسول بہت مفید تھی۔ اس صحبت نے ان کے اندر اخذ (grasp) کی طاقت کو بہت بڑھا دیا۔ (الرسالہ، اگست 2016)

اصلاح میں تدریج

ایک روایت کے مطابق، حضرت عائشہ نے فرمایا کہ قرآن میں سب سے پہلے وہ آیتیں اورسورتیں نازل ہوئیں جن میں جنت اور جہنم کا ذکر تھا۔ یہاں تک کہ جب لوگ

اسلام کی طرف مائل ہو گئے تو اس کے بعد حلال وحرام کے احکامات ہے۔ اور اگر ایسا ہوتا کہ شروع ہی میں یہ حکم اترتا کہ تم لوگ شراب نہ پیو تو یقیناً لوگ کہتے کہ ہم شراب کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ اسی طرح اگر شروع ہی میں یہ حکم اترتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی زنا نہیں چھوڑیں گے (صحیح البخاری، حدیث نمبر 4993)۔

اس روایت سے ایک عظیم حکمت نبوی معلوم ہوتی ہے۔ یہ وہی عملی حکمت ہے جس کو تدریج (gradualism) کہا جاتا ہے۔ انسان کی اصلاح ایک مشکل اور پیچیدہ کام ہے۔ انسان عام طور پر کچھ خیالات اور عادات سے مانوس ہو جاتے ہیں۔ وہ اسی کو درست سمجھنے لگتے ہیں۔ اس بنا پر وہ کسی نئ چیز کو فوری طور پر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ایسی حالت میں انسانوں کی اصلاح کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس کام کو حکمت اور تدریج کے ساتھ کیا جائے۔ رسول اللہ نے عرب میں پہلے لوگوں کی سوچ کو بدلا۔ لوگوں کے اندر قبولیت کا مزاج پیدا کیا۔ یہاں تک کہ جب ان کے اندر اصلاح کو قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو گئی تو اس کے بعد آپ نے شرعی احکام کا نفاذ فرمایا۔ اگر آپ فکری تطہیر اور مزاج سازی کے بغیر شریعت کے قوانین نافذ کرتے تو یہ انسانی فطرت کے خلاف ہوتا، اور وہ انقلابی نتیجہ برآمد نہ ہوتا جو عرب کے سماج میں برآمد ہوا۔
(الرسالہ، جنوری 2001)

رازداری

فتح مکہ کے واقعات کے ذیل میں آیا ہے کہ مدینہ میں آپ نے سفر کے لیے تیاری کا حکم دیا۔ عام مسلمان ضروری تیاری میں مصروف ہو گئے۔ اس زمانے میں حضرت ابو بکر صدیق اپنی صاحبزادی عائشہ کے گھر میں آئے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

اہلیہ تھیں۔ وہ اس وقت ضروری تیاری کررہی تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی صاحبزادی سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم کو اس کا حکم دیا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ ہاں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے دوبارہ پوچھا کہ یہ تیاری کہاں کے سفر کے لیے ہے۔ حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم مجھ کو نہیں معلوم: وَاللّٰہِ مَا أَدْرِي (سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 397)۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں میں سے ایک سنت یہ تھی کہ آپ نازک معاملات میں ہمیشہ رازداری کا طریقہ اختیار فرماتے تھے۔ یہی آپ نے فتح مکہ کی مہم میں کیا۔ مدینہ سے آپ اپنے دس ہزار اصحاب کے ساتھ نکلے مگر آپ نے لوگوں کو یہ نہیں بتایا کہ ہم کہاں جارہے ہیں۔ صحابہ کہتے ہیں کہ ہم چلتے ہوئے اس مقام پر پہنچے جہاں سے راستہ سیدھا مکہ کی طرف جاتا تھا، اس وقت ہم نے جانا کہ یہ سفر مکہ کے لیے ہے۔

نازک اجتماعی معاملات میں رازداری بے حد اہم ہے اکثر اوقات کامیابی کا انحصار اس پر ہوتا ہے کہ فریقِ ثانی کو آپ کے منصوبہ کا پیشگی علم نہ ہو سکے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حکمت کو نہایت اہتمام کے ساتھ اپنی زندگی میں اختیار فرمایا۔ (الرسالہ، جنوری 1999)

استنباطاتِ عائشہ

عائشہ صدیقہ سے حدیث کی مختلف کتابوں میں جو روایتیں منقول ہیں اُن کی کل تعداد 2210 ہے۔ تعداد روایت کے اعتبار سے بعض دوسرے صحابی اُن سے آگے ہیں۔ مثلاً ابوہریرہ کی روایتوں کی تعداد 5364 ہے۔ عبداللہ بن عمر کی روایتوں کی تعداد

2630 ہے۔ انس بن مالک کی روایتوں کی تعداد 2286 ہے۔ مگر ایک معاملہ میں عائشہ صدیقہ کا درجہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔ اور وہ ہے، حدیثوں کی تشریح اور اُن سے مسائل کا استنباط۔ عائشہ صدیقہ کو یہ امتیاز اس لیے حاصل ہوا کہ وہ پیغمبر اسلام سے قریبی صحبت کی بنا پر پیغمبر اسلام کے مزاج کے بارے میں زیادہ گہری واقفیت رکھتی تھیں۔ یہاں اس سلسلہ میں کچھ مثالیں نقل کی جاتی ہیں:

1۔ صحیح البخاری میں عائشہ صدیقہ کی ایک تفصیلی روایت آئی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: قرآن میں سب سے پہلے جو سورتیں نازل ہوئیں وہ مفصل کی سورتیں ہیں جن میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے۔ یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہو گئے تو پھر حلال وحرام کے احکام اُترے۔ اگر پہلے ہی یہ اُترتا کہ شراب مت پیو تو لوگ کہتے کہ ہم شراب ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ اور اگر یہ اُترتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے۔ مکہ میں جب میں کھیلتی تھی تو قرآن کی یہ آیت اُتری: اُن کے وعدہ کا وقت قیامت ہے اور قیامت نہایت سخت اور نہایت تلخ چیز ہے: بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ (54:46)۔ سورۃ البقرۃ اور سورۃ النساء جب اتری تو میں آپ کے پاس تھی (صحیح البخاری، حدیث نمبر 4993)۔

عائشہ صدیقہ نے اپنی اس روایت میں جو بات کہی وہ انہی لفظوں میں قرآن وحدیث میں موجود نہیں۔ مگر پیغمبر اسلام کی مسلسل محبت کے ذریعہ اُنہیں یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ قرآن کے احکام کے نزول میں تدریج کا اُصول رکھا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ قرآن پر مبنی سماج بنانے کے عمل کا آغاز حدود اور قانون کے احکام کے نفاذ سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُس کا صحیح آغاز یہ ہے کہ پہلے انسان کی سوچ بدلی جائے۔ انسان کے اندر

احکام کی قبولیت کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ یعنی فکری انقلاب کے بعد ہی یہ ممکن ہے کہ عملی احکام کو کسی سماج میں نافذ کیا جائے۔ عائشہ صدیقہ کو یہ اہم حقیقت یقینی طور پر پیغمبر اسلام سے طویل مذاکرہ کے ذریعہ معلوم ہوئی۔

2۔ عائشہ صدیقہ کی ایک روایت اس طرح آئی ہے: جنگِ بعاث کا دن ایک ایسا واقعہ تھا، جس کے نتائج کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے پہلے سے مقدر فرما دیا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ جب مدینہ آئے تو اُس وقت اہل مدینہ کی جمعیت منتشر ہو چکی تھی۔ اُن کے سردار اس جنگ میں قتل یا زخمی ہو چکے تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس صورتِ حال کو اپنے رسول ﷺ کے ذریعے ان کے اسلام میں داخل ہونے کا ایک ذریعہ بنا دیا تھا: فَقَدَّمَهُ اللّٰهُ لِرَسُولِهِ صلى الله عليه وسلم فِي دُخُولِهِمْ فِي الْإِسْلَامِ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 3777)۔

مکہ کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے مشن کی سخت مخالفت کی۔ جب کہ اُس سے تین سو میل دور واقع مدینہ میں آپ کا پیغام کسی مزاحمت کے بغیر پھیل گیا۔ یہ فرق کیوں تھا۔ اس کا جواب عائشہ صدیقہ کی مذکورہ روایت میں ملتا ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے، مکہ اور مدینہ کے اس فرق کا معاملہ قرآن یا حدیث رسول میں مذکور نہیں۔ پھر عائشہ صدیقہ کو یہ اہم حقیقت کیسے معلوم ہوئی۔ اُس کا ذریعہ صحبت رسول تھا۔ رسول اللہ ﷺ اپنی گفتگوؤں میں اس سلسلہ میں جو باتیں کہتے تھے، اُس سے عائشہ صدیقہ نے اس حقیقت کو اخذ کیا اور پھر اُس کو ساری امت کو بتایا۔

عائشہ صدیقہ کی اس روایت کے مطابق، اصل بات یہ تھی کہ مکہ کے برعکس، مدینہ میں وہ بڑے قبائلی سردار موجود ہی نہ تھے جو اس قسم کی مزاحمت کا اصل سبب

ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی نبوت سے کچھ ہی پہلے وہاں خانہ جنگی ہوئی جس میں مدینہ کے اکثر بڑے سردار قتل ہو گئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ کسی مشن کے خلاف مزاحمت کی تحریکیں ہمیشہ لیڈر لوگ چلاتے ہیں۔ پھر جب مدینہ میں وہاں کے لیڈر لوگ نہ رہے تو مزاحمت کی جڑ اپنے آپ کٹ گئی۔ چنانچہ عوام نے اسلام کو اپنی فطرت کی آواز سمجھ کر اس کو قبول کرلیا۔

3۔ صحیح مسلم میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں عائشہ صدیقہ کے شاگرد ابن ابی ملیکہ نے اُن سے پوچھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ خود کسی کو خلیفہ بناتے تو کس کو بناتے۔ فرمایا ابو بکر کو۔ پوچھا اُن کے بعد، جو اب دیا عمر کو۔ سوال کیا کہ پھر، کہا ابوعبیدہ بن جرّاح کو۔ اس کے بعد کس کو۔ اس کے جواب میں عائشہ صدیقہ چپ ہوگئیں (صحیح مسلم، حدیث نمبر 2385)۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ صدیقہ نے پیغمبر اسلام کی محبت سے جو باتیں سیکھی تھیں اُن میں سے ایک اہم بات یہ تھی کہ اجتماعی معاملات میں فرد کی اہمیت کتنی زیادہ ہے۔ اجتماعی زندگی کی تعمیر صرف نظام یا سسٹم کے ذریعہ نہیں ہوتی۔ بلکہ اُس کے لیے ہمیشہ ایک فرد درکار ہوتا ہے، ایک ایسا فرد جو خصوصی صلاحیتوں کا حامل ہو۔ عائشہ صدیقہ کے مطابق، اسلام کے دور اوّل کے انقلاب میں بھی صرف تین آدمی ایسے تھے جو کامیابی کے ساتھ اجتماعی ذمہ داری کو سنبھال سکیں۔ اس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ اجتماعی اصلاح کے معاملہ میں اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ایک ڈھانچہ کو توڑ کر دوسرا ڈھانچہ بنا یا جائے۔ بلکہ اجتماعی اصلاح کی اصل ضرورت یہ ہے کہ اُس کے لیے اہل افراد تیار کیے جائیں۔ یہ سیاسی حکمت (political wisdom) جو عائشہ صدیقہ کے ذریعہ امت کو معلوم ہوئی وہ غالباً کسی اور کے ذریعہ معلوم نہ ہوسکی۔

4۔ عائشہ صدیقہ کی ایک روایت یہ ہے کہ بڑا گنہگار وہ شاعر ہے جو تمام قبیلہ کی ہجو کرے۔ یعنی صرف ایک دو شخص کی برائی کے سبب سے پورے قبیلہ کو بُرا کہہ دینا ایک عظیم اخلاقی بُرائی ہے: إِنَّ أَعْظَمَ النَّاسِ جُرْمًا إِنْسَانٌ شَاعِرٌ يَهْجُو الْقَبِيلَةَ مِنْ أَسْرِهَا (الادب المفرد للبخاری، حدیث نمبر 874)۔

عائشہ صدیقہ کی اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تنقید میں جنرلائزیشن نہایت بُری چیز ہے۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ کسی قوم یا قبیلہ کے ایک فرد کی کوئی بُرائی سامنے آئے تو لوگ اس کو لے کر پوری قوم یا قبیلہ کو برا بتانے لگتے ہیں۔ یہ طریقہ اخلاقی نقطۂ نظر سے غیر ذمہ دارانہ اور اسلامی نقطۂ نظر سے ناجائز ہے۔ زندگی کا یہ گہرا اصول بھی اتنے واضح انداز میں غالباً صرف عائشہ کے ذریعہ بیان ہوسکا۔

5۔ ابن ابی السائب تابعی مدینہ کے ایک واعظ تھے۔ وہ مسجّع (rhymed) دعائیں بنا کر پڑھا کرتے اور وہ ہر وقت لوگوں کے سامنے وعظ کے لیے آمادہ رہتے۔ عائشہ صدیقہ نے اُن سے خطاب کرکے کہا کہ تم مجھ سے تین باتوں کا عہد کرو، ورنہ میں بزورتم سے بازپرس کروں گی۔ اُنہوں نے کہا کہ اے ام المؤمنین، وہ کیا باتیں ہیں۔ عائشہ صدیقہ نے کہا کہ دعاؤں میں عبارتیں مسجّع (rhymed) نہ کرو کیوں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب ایسا نہیں کرتے تھے۔ ہفتہ میں صرف ایک دن وعظ کہا کرو (فَلَا تُمِلَّ النَّاسُ هَذَا الْكِتَابَ)۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو دو دن اور اس سے بھی زیادہ چاہو تو تین دن۔ لوگوں کو خدا کی کتاب سے اُکتا نہ دو۔ ایسا نہ کیا کرو کہ لوگ جہاں بیٹھے ہیں وہاں آ کر بیٹھ جاؤ اور بات کاٹ کر اپنا وعظ شروع کردو۔ بلکہ جب ان کی خواہش ہو اور وہ درخواست کریں، تب کہو (مسند احمد، حدیث نمبر 25820)۔

عائشہ صدیقہ کی اس روایت سے دین کی اصل روح معلوم ہوتی ہے۔ دین کی اصل روح کے مطابق، دعا قلبی جذبات کا مخلصانہ اظہار ہے جب کہ مسجّع (rhymed) دعائیں تصنع اور منافقت کا انداز شامل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وعظ نصیحت کا ایک کلمہ ہے اور خیر خواہانہ نصیحت میں ہمیشہ مدعو کی رعایت شامل رہتی ہے۔ مومن کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کی بات کو غور سے سنے اور جو بات کہے اس میں لوگوں کے مزاج کی رعایت ہو۔

7۔ ایک شخص نے عائشہ صدیقہ سے سوال کیا۔ اُس نے کہا کہ اے ام المؤمنین، بعض لوگ ایک رات میں قرآن دو دو، تین تین بار پڑھتے ہیں۔ عائشہ صدیقہ نے کہا کہ اُنھوں نے پڑھا مگر اُنھوں نے نہیں پڑھا (أُولَئِكَ قَرَءُوا، وَلَمْ يَقْرَءُوا)۔ رسول اللہ ﷺ تمام رات نماز میں کھڑے رہتے تھے۔ لیکن سورۃ البقرہ، آل عمران اور سورۃ النساء سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ آپ جب کسی بشارت کی آیت پر پہنچتے تو خدا سے دعا مانگتے اور جب کسی وعید کی آیت پر پہنچتے تو پناہ مانگتے (مسند احمد، حدیث نمبر 24609)۔

اس روایت سے دو چیزوں کے بارے میں دین کی روح معلوم ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ قرآن کی تلاوت کیسے کی جائے۔ اور دوسرے یہ کہ نفل نماز کی اصل صورت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ یہ دونوں کام عام طور پر اپنے حجرے میں کرتے تھے۔ اس لحاظ سے اس اہم حقیقت کا علم بقیہ دنیا کو صرف آپ کی رفیقۂ حیات کے ذریعہ ہو سکتا تھا۔ عائشہ صدیقہ نے امت کے لیے یہی کام انجام دیا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی تلاوت کے سلسلہ میں اصلاً جو چیز مطلوب ہے وہ تدبر ہے، نہ کہ وہ چیز جس کو عام طور پر ختم قرآن کہا جاتا ہے۔

8۔ کعبہ پر جب نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے اور پرانا غلاف اُتار لیا جاتا ہے تو یہ سوال

ہوتا ہے کہ پُرانے غلاف کو کیا کیا جائے۔ پہلے ایسا ہوتا تھا کہ تعظیم اور ادب کے نقطۂ نظر سے پُرانے غلاف کو زمین میں دفن کر دیا جاتا تھا۔ شیبہ بن عثمان نے جو اس زمانہ میں کعبہ کے کلید بردار تھے، عائشہ صدیقہ سے بیان کیا کہ ہم سارے غلاف کو اکٹھا کر کے ایک گہرا کنواں کھود کر اُس میں دفن کر دیتے ہیں۔ تا کہ ناپاکی کی حالت میں لوگ اس کو پہن نہ لیں۔ عائشہ صدیقہ نے شیبہ سے کہا کہ یہ تو اچھی بات نہیں۔ تم برا کرتے ہو۔ جب وہ غلاف کعبہ پر سے اُتر گیا تو وہ عام کپڑا ہے۔ اب اگر کسی نے ناپاکی کی حالت میں اُس کو پہن بھی لیا تو کوئی مضائقہ نہیں (إِنَّ ثِيَابَ الْكَعْبَةِ إِذَا نُزِعَتْ مِنْهَا لَمْ يَضُرَّهَا أَنْ يَلْبَسَهَا الْجُنُبُ وَالْحَائِضُ)۔ تم کو چاہیے کہ اس کو بیچ دیا کرو اور اس کے جو دام آئیں وہ غریبوں اور مسافروں کو دے دیا کرو (السنن الکبری للبیہقی، حدیث نمبر 9731)۔ عائشہ صدیقہ نے اپنی بصیرت سے یہ سمجھا کہ یہ تعظیم غیر شرعی ہے جس کا خدا اور اس کے رسول نے حکم نہیں دیا۔

عائشہ صدیقہ کی یہ بات دین کی اصل روح کے عین مطابق ہے۔ مگر یہ ایک ایسی نازک بات ہے کہ جس کو کہنے کی جرأت ایک عام مسلمان نہیں کرسکتا۔ عائشہ صدیقہ کو پیغمبر اسلام کی مسلسل صحبت کے ذریعہ دین کا جو فہم صحیح ملا تھا اُس نے اُن کے اندر یہ ہمت پیدا کی کہ وہ یقین کے ساتھ اس بات کا اعلان کرسکیں۔ اس طرح کی اور بہت سی باتیں عائشہ صدیقہ سے حدیث کی کتابوں میں آئی ہیں۔ عائشہ صدیقہ کی اس قسم کی روایتیں یہ بتاتی ہیں کہ عائشہ صدیقہ کا ابتدائی عمر میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور رفاقت میں آنا دینی نقطۂ نظر سے کتنا اہم تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو دین کی بہت سی گہری حکمتیں بعد کے لوگوں کے علم ہی میں نہ آتیں۔ کیوں کہ وہ پیغمبر سے قریبی استفادہ ہی کے ذریعہ معلوم ہوسکتی تھیں۔

عائشہ صدیقہ کی ایک اہم روایت ہے۔ صحیح البخاری میں اس روایت کو اُس کے مختلف پہلوؤں کی بنا پر کئی باب کے تحت نقل کیا گیا ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا (صحیح البخاری، حدیث نمبر 3560)۔ یعنی، رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو امر میں سے ایک امر کا انتخاب کرنا ہوتا تو آپ ہمیشہ دونوں میں سے آسان امر کا انتخاب فرماتے۔

عائشہ صدیقہ اپنی اس روایت میں پیغمبر اسلام کی جنرل پالیسی بیان کرتی ہیں۔ وہ یہ کہ عملی زندگی میں پیغمبر اسلام کا مستقل طریقہ یہ تھا کہ جب بھی آپ کے سامنے دو میں سے ایک کے انتخاب کا سوال ہوتا تو آپ ہمیشہ یہ کرتے کہ مشکل انتخاب (harder option) کو چھوڑ دیتے، اور آسان انتخاب (easier option) کو لے لیتے۔ پیغمبر اسلام کی جنرل پالیسی کے بارے میں یہ نکتہ اتنا زیادہ گہرا ہے کہ اُس کو ایک شخص لمبی صحبت کے بعد ہی اخذ کرسکتا ہے، بشرطیکہ وہ غیر معمولی ذہانت کا حامل ہو۔

اس معاملہ میں پیغمبر اسلام کا کوئی قول انھی الفاظ میں وارد نہیں ہوا ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اصولاً وہ آپ کی پوری زندگی پر محیط ہے۔ وہ سیرت رسول کو سمجھنے کے لیے بے حد اہم ہے۔ مثلاً مکہ میں آپ نے توحید کے مشن کا آغاز کیا۔ اس کی ایک صورت یہ تھی کہ آپ مقدّس کعبہ میں رکھے ہوئے 360 بتوں کو توڑنے سے اپنے مشن کا آغاز کرتے۔ مگر آپ نے بتوں کے مسئلہ سے اعراض کرتے ہوئے پُرامن دعوت سے اپنے مشن کا آغاز کیا۔ یہ بلاشبہ اختیارِ اعسر کو لینے کے مقابلہ میں اختیارِ ایسر کو لینے کا معاملہ تھا۔

اسی طرح مکی دور کے آخر میں آپ کے سامنے دو میں سے ایک کے انتخاب کا مسئلہ

تھا، یا تو مشرکین مکہ سے قتال کریں یا مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں۔ آپ نے دوسرے طریقہ کا انتخاب کیا جو بلا شبہ اختیارِ عسر کے مقابلہ میں اختیار ایسر کو لینے کا معاملہ تھا۔ اسی طرح ہجرت کے بعد حدیبیہ کے مقام پر آپ کے لیے دو میں سے ایک کے انتخاب کا سوال تھا۔ یا تو مشرکین کی رکاوٹ کو توڑ کو عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ جانے کی کوشش کریں، یا حدیبیہ سے واپس ہو کر مدینہ آجائیں۔ پہلا طریقہ جنگ کا طریقہ تھا اور دوسرا طریقہ صلح کا طریقہ۔ آپ نے اس معاملہ میں صُلح کے طریقہ کو لے لیا جو اختیارِ اعسر کے مقابلہ میں اختیارِ ایسر کو لینے کے ہم معنیٰ تھا۔ پیغمبر اسلام کی پوری زندگی اسی حکیمانہ تدبیر کی مثال ہے۔ عائشہ صدیقہ نے پیغمبر اسلام کے ساتھ تبادلۂ خیال اور آپ کی عملی زندگی کے گہرے مطالعہ کے بعد اس راز کو دریافت کیا اور امت کو بتایا۔ پیغمبر اسلام کی سیرت کا یہ اہم راز غالباً کسی دوسرے مرد یا عورت کے ذریعہ دنیا کو معلوم نہ ہوسکا۔ (عورت معمارِ انسانیت)

استدراکات عائشہ

استدراک کا لفظی مطلب ہے، غلطی کی اصلاح کرنا (correction)۔ حضرت عائشہ کی بہت سی روایتیں ہیں جن کو استدراک کہا جاتا ہے۔ ان روایتوں میں حضرت عائشہ نے کسی راوی کی روایت کی تصحیح کی ہے۔ راوی نے کوئی بات رسول اللہ سے منسوب کی تو عائشہ نے کہا کہ رسول اللہ نے یہ بات اس طرح نہیں کہی تھی، بلکہ اس طرح کہی تھی۔ حضرت عائشہ کے اس طرح کے اقوال کو استدراکات عائشہ کہا جاتا ہے۔

اس موضوع پر علمائے حدیث نے متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ایک مشہور کتاب یہ ہے: عین الاصابه فی استدراک عائشة علی الصحابه للسیوطی (مکتبة العلم القاہرة 1409ھ)۔مصنف نے اس کتاب میں حضرت عائشہ کے 52استدراکات کو جمع کیا ہے۔حضرت عائشہ کے استدراکات میں سے ایک یہ ہے: بَلَغَ عَائِشَةَ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، يَقُولُ: إِنَّ مَوْتَ الْفَجْأَةِ سَخْطَةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ، فَقَالَتْ: يَغْفِرُ اللّٰهُ لِابْنِ عُمَرَ، إِنَّمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَوْتُ الْفَجْأَةِ تَخْفِيفٌ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ، وَسَخْطَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ (المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث نمبر 3129)۔یعنی، عائشہ کو یہ بات پہنچی کہ ابن عمر ایسا کہتے ہیں کہ اچانک کی موت اللہ کی ناراضگی کی علامت ہے۔تو عائشہ نے کہا کہ اللہ ابن عمر پر رحم فرمائے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اچانک کی موت مومن پر آسانی ہے اور غیر مومن پر ناراضگی ہے۔

یہ صرف عائشہ اور ایک راوی کے درمیان مکالمے کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ اس سے ایک اصول اخذ ہوتا ہے۔وہ یہ کہ اسلام میں عورت اور مرد کے درمیان درجہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔عورت اگر اپنے آپ کو علم وعقل کے اعتبار سے تیار کرے تو وہ معاملات میں مردوں کی رہنمائی کرسکتی ہے۔وہ زندگی میں قائدانہ رول ادا کرسکتی ہے۔ ایسی عورت شادی شدہ زندگی میں اپنے رفیق حیات کے لیے ایک سرمایہ (asset) ہے۔(الرسالہ، دسمبر 2016)

روایتوں کی تصحیح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ ذہین تھیں۔ان

کی مرویات کی تعداد 2210 تک شمار کی گئی ہے۔ان سے تقریباً ایک سوصحابہ وتابعین نے روایت کیا ہے۔عروہ بن زبیر،سعید بن مسیب،عبد اللہ بن عامر،مسروق بن اجدع،عکرمہ اور علقمہ جیسے لوگ آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اعلیٰ درجہ کی فقیہ خاتون تھیں۔جب کوئی حدیث بیان کرتیں تو اس کی علّت وحکمت بھی بیان کردیتیں۔(الرسالہ، مارچ 1977)

عائشہ صدیقہ کا ایک منفرد کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے بہت سی ایسی روایتوں کی تصحیح کی جو پیغمبر اسلام کے قول کی صحیح ترجمانی نہیں کررہی تھیں۔پیغمبر اسلام سے جو حدیثیں منقول ہیں وہ زیادہ تر مجلس کی گفتگو سے تعلق رکھتی ہیں۔چنانچہ ایسا ہوا کہ کوئی صحابی مجلس کے درمیان میں آیا۔اُس نے آپ کی گفتگو کا کچھ حصہ سنا اور کچھ حصہ نہیں سُنا۔ اسی طرح کسی صحابی نے پیغمبر اسلام کی ایک بات سُنی مگر وہ اس سے باخبر نہ تھا کہ آپ نے یہ بات کس بیک گراؤنڈ میں کہی ہے۔

اس طرح کے مختلف اسباب سے بعض صحابہ کی روایتوں میں ابہام واقع ہوگیا۔اُن کی بیان کردہ روایت سے پیغمبر اسلام کی صحیح ترجمانی نہ ہوسکی۔یہ کام عائشہ صدیقہ نے انجام دیا۔عائشہ صدیقہ کو آپ کی اہلیہ ہونے کی وجہ سے ہر روز آپ کی صحبت ملتی تھی۔وہ آپ کی رفیقۂ حیات ہونے کی وجہ سے اس پوزیشن میں تھیں کہ وہ باتوں کو زیادہ تفصیل سے اور زیادہ گہرائی کے ساتھ جان سکیں۔چنانچہ اپنی اس امتیازی صفت کی بنا پر اُنھوں نے یہ اہم کام انجام دیا کہ صحابہ کی جن روایتوں میں پیغمبر اسلام کے ارشاد کی ترجمانی خلاف واقعہ ہوئی تھی اُن روایتوں کو اُنھوں نے اُن کی صحیح صورت میں پیش کیا۔ روایات میں اس قسم کی تصحیح کو محدثین کی اصطلاح میں استدراک کہا جاتا ہے۔متعدد ائمہ

حدیث نے ان استدراکات کو یکجا کیا ہے۔ اسی قسم کا ایک رسالہ وہ ہے جس کو جلال الدین السیوطی نے تیار کیا۔ اس رسالہ کا نام یہ ہے: عين الاصابة في استدراك عائشة على الصحابة (قاہرہ، 1988)۔ اس معاملہ کو سمجھنے کے لیے یہاں اس نوعیت کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:

ا۔ صحیح البخاری کی ایک روایت کے مطابق، عبد اللہ بن عمر نے غسل کے بارے میں روایت کرتے ہوئے کہا: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ جَاءَ مِنْكُمُ الجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 894)۔ یعنی، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے جو شخص جمعہ میں آئے اس کو چاہیے کہ وہ غسل کرے۔

عبد اللہ بن عمر نے مذکورہ حدیث کو سادہ طور پر بیان کیا۔ بظاہر اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا ایک مطلق حکم ہے۔ مگر اسی حدیث کو عائشہ صدیقہ نے روایت کیا تو انھوں نے اس کا سبب بھی بیان کر دیا۔ یہ سبب اُنھوں نے یقینی طور پر پیغمبر اسلام کی صحبت سے معلوم کیا تھا۔ عائشہ صدیقہ حدیث کو اس طرح بیان کرتی ہیں:

> قَالَتْ: كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُونَ يَوْمَ الجُمُعَةِ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالعَوَالِيّ، فَيَأْتُونَ فِي الغُبَارِ يُصِيبُهُمُ الغُبَارُ وَالعَرَقُ، فَيَخْرُجُ مِنْهُمُ العَرَقُ، فَأَتَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْسَانٌ مِنْهُمْ وَهُوَ عِنْدِي، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ أَنَّكُمْ تَطَهَّرْتُمْ لِيَوْمِكُمْ هَذَا (صحیح البخاری، حدیث نمبر 902)۔ یعنی، لوگ اپنے اپنے گھروں سے اور

مدینہ کے باہر کی آبادیوں سے جمعہ کے روز آتے اور وہ گرد وغبار اور پسینہ میں ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ اُن میں سے ایک شخص آپ کے پاس آیا، اس وقت آپ میرے پاس تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بہتر ہوتا اگر تم اس دن غسل کرلیا کرتے۔

عبداللہ بن عمر کی روایت میں قول رسول کو مطلق طور پر نقل کیا گیا ہے جس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے کہ غسل گویا نماز کا حصہ ہے۔ مگر عائشہ صدیقہ نے اس قول رسول کو اس کے صحیح پس منظر میں بیان کیا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ غسل کی حیثیت ایک جسمانی ضرورت کی ہے، وہ نماز کا عبادتی جزء نہیں۔

2۔ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور بعض صحابہ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: إِنَّ المَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 1286)۔ یعنی، مردہ پر اُس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔

یہ روایت جب عائشہ صدیقہ کے سامنے بیان کی گئی تو اُنھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن آپ ایک غیر مسلم عورت کے جنازہ پر گزرے، اُس کے رشتہ دار اُس پر رو رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ رو رہے ہیں جب کہ اس عورت پر عذاب ہو رہا ہے (صحیح مسلم، حدیث نمبر 932)۔

عائشہ صدیقہ کا کہنا یہ ہے کہ رونا عذاب کا سبب نہیں ہے۔ بلکہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ یعنی نوحہ کرنے والے اس کی موت پر رو رہے ہیں جب کہ مرنے والا اپنے گذشتہ اعمال کی سزا میں مبتلا ہے۔ رونا دوسروں کا فعل ہے جس کا عذاب یہ رونے والے خود اٹھائیں گے۔ مردہ اس کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا۔ ہر شخص اپنے فعل کا خود جواب دہ ہے۔

مذکورہ قول رسول کے بارے میں عائشہ کی یہ وضاحت بتاتی ہے کہ اس طرح کے معاملات میں پیغمبر اور عائشہ کے درمیان باقاعدہ گفتگو ہوتی تھی۔ اس گفتگو کے دوران عائشہ پر وہ باتیں کھلتی تھیں جس سے عام لوگ بے خبر رہتے تھے۔

3۔ غزوۂ بدر میں جو مشرکین مارے گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کے مقام دفن پر کھڑے ہو کر فرمایا: فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا (7:44)۔ یعنی، خدا نے تم سے جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے اُس کو سچا پایا۔

صحابہ نے پوچھا کہ اے خدا کے رسول، آپ مردوں کو پکارتے ہیں۔ ابن عمر غالباً عمر سے اور انس بن مالک ابوطلحہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے — مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ مِنْهُمْ، وَلَكِنْ لاَ يُجِيبُونَ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 1370)۔

عائشہ صدیقہ سے جب یہ روایت بیان کی گئی تو اُنھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں کہا بلکہ آپ نے یہ فرمایا: اس وقت وہ جان گئے ہیں کہ میں اُن سے جو کچھ کہتا تھا وہ سچ تھا — إِنَّهُمْ لَيَعْلَمُونَ الآنَ أَنَّ مَا كُنْتُ أَقُولُ لَهُمْ حَقٌّ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 1371)۔

عائشہ صدیقہ نے جو بات کہی وہ گہرے دینی فہم کی بنا پر تھی۔ یہ غیر معمولی قسم کا گہرا دینی فہم عائشہ کو کہاں سے ملا۔ اس کا جواب یقینی طور پر صرف ایک ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ دینی فہم اُنھیں پیغمبر اسلام ﷺ سے قریبی استفادہ کے ذریعہ حاصل ہوا۔

4۔ عائشہ صدیقہ کے پاس قبیلہ بنو عامر کے دو آدمی آئے۔ انھوں نے کہا کہ ابوہریرہ رسول اللہ ﷺ کے حوالہ سے یہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بدشگونی تین چیزوں میں ہے، گھر میں اور عورت میں اور گھوڑے میں۔ عائشہ صدیقہ

اس پر بہت زیادہ غصہ ہوگئیں۔ انہوں نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے محمد پر قرآن کو اتارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرگز ایسا نہیں کہا۔ آپ نے جو کہا وہ یہ تھا کہ جاہلیت کے لوگ ان تینوں چیزوں سے بدشگونی لیتے تھے (مسند احمد، حدیث نمبر 26034)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دراصل یہ فرمایا تھا کہ یہود کہتے ہیں کہ بدشگونی تین چیزوں میں ہے عورت میں، گھوڑے میں اور گھر میں (مسند ابو داوٗد الطیالسی، حدیث نمبر 1641؛ مسند احمد، حدیث نمبر 25168)۔

غالباً راوی نے اپنی سادگی کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو پوری طرح نہیں سمجھا۔ آپ نے جو بات جاہلیت کے لوگوں کے بارے میں کہی تھی اُس کو انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔ مگر عائشہ صدیقہ اپنی غیر معمولی ذہانت اور مسلسل صحبتِ رسول کی بنا پر دین کے مزاج کو پوری طرح سمجھ چکی تھیں۔ اسی لیے انہیں اصل بات کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ انہوں نے راوی کی بات کو سن کر فوراً اپنے فہمِ دین کی بنا پر اس حقیقت کو سمجھ لیا اور فوراً اس کی تردید کر کے اصل بات کو بیان کیا۔

عائشہ کی مذکورہ وضاحت بے حد اہم ہے۔ کیوں کہ اگر اُنہوں نے یہ وضاحت نہ کی ہوتی تو ابوہریرہ کی روایت کے نتیجہ میں ہمیشہ کے لیے اس معاملہ میں ایک الجھن (confusion) باقی رہتا جس کو کوئی دوسرا شخص کھول نہیں سکتا تھا۔

5۔ عبد اللہ بن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو بار اللہ کو دیکھا۔ ایک بار معراج کے موقع پر اور دوسری بار اُس موقع پر جس کا ذکر سورہ النجم میں آیا ہے۔ مسروق تابعی نے اس کے حوالہ سے عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ اے ام المومنین، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کو دیکھا تھا۔ عائشہ صدیقہ نے کہا کہ تم ایسی بات بولے جس کو

سن کر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ جو تم سے یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کو دیکھا وہ جھوٹ کہتا ہے: مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ كَذَبَ۔ پھر یہ آیت پڑھی: لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (6:103)۔ یعنی، نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے اور وہ لطیف ہے، خبر رکھنے والا ہے۔ اس کے بعد عائشہ نے یہ دوسری آیت پڑھی: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ (42:51)۔ کسی انسان کے لیے یہ زیبا نہیں کہ اللہ اُس سے باتیں کرے مگر وحی کے ذریعہ یا پردہ کے پیچھے سے (صحیح البخاری، حدیث نمبر 4855)۔

عائشہ صدیقہ نے اس معاملہ میں جو وضاحت کی اس کے لیے غیر معمولی دینی جرأت درکار تھی۔ یہ دینی جرات کسی ایسے ہی شخص میں ہوسکتی ہے جس نے لمبی مدت تک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت پائی ہو اور اس طرح کے امور میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تبادلۂ خیال کر کے دین میں گہری بصیرت حاصل کی ہو۔

6۔ ابوسعید خدری کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے نئے کپڑے منگوا کر پہنے۔ اس کا سبب انہوں نے یہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان جس لباس میں مرتا ہے، اسی میں وہ اٹھایا جاتا ہے۔ عائشہ صدیقہ کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو کہا کہ خدا ابوسعید پر رحم کرے۔ لباس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصود انسان کے اعمال ہیں (يَرْحَمُ اللّٰهُ أَبَا سَعِيدٍ، إِنَّمَا أَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَلَهُ الَّذِي مَاتَ عَلَيْهِ)۔ ورنہ آپ کا تو یہ صاف ارشاد ہے کہ لوگ قیامت میں ننگے بدن، ننگے پیر اور ننگے سر اٹھیں گے (عین الاصابہ للسیوطی، صفحہ 49)۔

عائشہ صدیقہ کی اس وضاحت سے ایک حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ حدیث کو

سمجھنے کے لیے بعض اوقات ضروری ہوتا ہے کہ ایک قول کو اس کے لفظی معنی میں نہ لیا جائے بلکہ اس کو علامتی معنی میں لیا جائے۔

7۔ ایک مرتبہ آپ نے حکم دیا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے۔ ظاہری الفاظ کی بنا پر کچھ صحابہ اس حکم کو دائمی سمجھتے تھے۔ عائشہ صدیقہ نے اس ارشاد کی حکمت بتاتے ہوئے کہا کہ یہ ایک وقتی حکم تھا۔ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ کیا تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے کو رسول اللہ ﷺ نے حرام کیا ہے۔ عائشہ نے کہا کہ: لَا، وَلَكِنْ لَمْ يَكُنْ يُضَحِّي مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ، فَفَعَلَ ذَلِكَ لِيُطْعِمَ مَنْ ضَحَّى مَنْ لَمْ يُضَحِّ (مسند احمد، حدیث نمبر 24707)۔ یعنی نہیں، اس زمانہ میں چند لوگ قربانی کر سکتے تھے۔ اس لیے آپ نے حکم دیا تا کہ جو قربانی کریں وہ ان کو کھلائیں جنہوں نے قربانی نہیں کی ہے۔

عائشہ صدیقہ کی اس تصحیح سے مزید یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قربانی کے گوشت کو جدید طریقوں کے مطابق، لمبی مدت تک محفوظ رکھنا جائز ہے۔ موجودہ زمانہ کی نسبت سے یہ وضاحت بے حد اہم ہے۔ اگر عائشہ صدیقہ کی یہ وضاحت موجود نہ ہوتی تو مذکورہ حدیث کی حکمت معلوم کرنا ممکن نہ ہوتا اور قربانی کے گوشت کو محفوظ کر کے اس کو دیر تک استعمال کرنا لوگوں کو اسلام کی تعلیم کے خلاف معلوم ہوتا۔

ان چند مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ عائشہ صدیقہ کا کنٹری بیوشن اسلام میں کتنا زیادہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی حقیقی روح کو سمجھنے کے لیے عائشہ کی روایات کا مطالعہ بے حد اہم ہے۔ عائشہ کے ذریعہ بعد کے لوگوں کو جو چیزیں ملیں ان کا غالباً سب سے زیادہ اہم حصہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی غیر معمولی ذہانت اور اپنی پوری زندگی اسلام

کے لیے وقف کر دینے کے نتیجہ میں گہری دینی بصیرت حاصل کی۔ حتی کہ اس دینی بصیرت میں غالباً کوئی اور ان کا ثانی نہیں۔ پھر اس دینی بصیرت کے تحت انہوں نے تقریباً نصف صدی تک امت کو براہ راست رہنمائی دی۔ اور جہاں تک بالواسطہ رہنمائی کا تعلق ہے وہ آج تک جاری ہے اور بلا شبہ قیامت تک جاری رہے گی۔

اصل یہ ہے کہ دین کی دو سطحیں ہیں۔ ایک ظاہر دین، اور دوسرا حقیقتِ دین۔ وہ عورت یا مرد جو ظاہری سطح پر دین کو پائیں انہوں نے گویا ایک پھل کو ایک چھلکے کی سطح پر پایا اور جو عورت یا مرد دین کو اس کی گہری معنویت کی سطح پر پائیں انہوں نے گویا پھل کے مغز کو پالیا۔ پھل کو پانے والے دراصل یہی دوسری قسم کے لوگ ہیں۔

عائشہ صدیقہ نے خدا کے دین کو اس کی حقیقت اور معنویت کی سطح پر پایا۔ اس طرح انہوں نے نہ صرف اپنے آپ کو ایک اعلیٰ ربانی شخصیت بنایا بلکہ اپنی زندگی سے انہوں نے اس کی ایک اعلیٰ تاریخی مثال بھی قائم کر دی کہ کوئی عورت یا مرد دین میں معرفت کے اس اعلیٰ درجہ کو کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی ابتدائی عمر میں آپ کا نکاح حضرت خدیجہ سے ہوا جو عمر میں آپ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ اور آپ کی عمر کے آخری حصہ میں آپ کا نکاح عائشہ سے ہوا جو عمر میں آپ سے بہت کم تھیں۔ یہ دونوں ہی بے حد اہم تھیں۔ کیوں کہ پیغمبر اسلام کی ابتدائی زندگی میں آپ کو ایک تجربہ کار خاتون کی ضرورت تھی، جب کہ آپ کی آخر عمر میں عائشہ جیسی ایک کم عمر خاتون درکار تھیں، جیسا کہ اگلے باب سے واضح ہوتا ہے۔ (عورت معمارِ انسانیت)

عمر نکاح کا مسئلہ

عائشہ صدیقہ کے بارے میں ایک سوال ان کے نکاح کی عمر سے تعلق رکھتا ہے۔ حدیث کی کتابوں میں صحیح روایات سے آیا ہے کہ عائشہ صدیقہ کا نکاح پیغمبر اسلام ﷺ سے مکہ میں ہوا۔ اس وقت عائشہ صدیقہ کی عمر صرف چھ سال تھی۔ اس کے بعد مدینہ میں ان کی رخصتی ہوئی اور رخصتی کے وقت عائشہ صدیقہ کی عمر 9 سال تھی (صحیح البخاری، حدیث نمبر 5133)۔

موجودہ زمانہ میں اس کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ مستشرقین نے عمر کے معاملہ کو لے کر پیغمبر اسلام ﷺ کی اعلیٰ سیرت پر سوالات اٹھائے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کم سن لڑکی سے نکاح کرنا شریفانہ اخلاق کے خلاف ہے اور یہ کہ اس قسم کا فعل کسی کی پیغمبری کو مشتبہ ثابت کرتا ہے۔

قدیم زمانہ میں بھی یہ سوال پایا جاتا تھا مگر وہ موجودہ شدت کے ساتھ نہ تھا۔ لوگ فقہی بنیاد پر نہ کہ اخلاقی بنیاد پر سوال کرتے تھے کہ کیا یہ جائز ہے کہ ایک زیادہ عمر کا انسان کم عمر غیر بالغ بچی سے نکاح کرے۔ اس کا جواب قدیم علما نے روایتی انداز میں دینے کی کوشش کی۔ مثلاً ابن حزم نے ابن شبرمہ سے ان کا جواب ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا عائشہ سے چھ سال کی عمر میں نکاح کرنا آپ کی نبوت کے خصائص میں سے تھا: وَزَعَمَ أَنَّ تَزْوِيجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَائِشَةَ وَهِيَ بِنْتُ سِتِّ سِنِينَ كَانَ مِنْ خَصَائِصِهِ (فتح الباری، جلد 9، صفحہ 190)۔

یہ توجیہ غیر منطقی ہے۔ کیوں کہ نبی کے خصائص اس کے پیغمبر خدا ہونے کے

اعتبار سے ہوتے ہیں، نہ کہ کسی اور اعتبار سے۔ چنانچہ کسی اور پیغمبر سے اس قسم کا نکاح ثابت نہیں۔

موجودہ زمانہ میں علما نے مختلف انداز سے اس مسئلے کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر مولانا سید سلیمان ندوی اپنی کتاب میں اس موضوع پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حضرت عائشہ کا جب نکاح ہوا تھا تو وہ اس وقت چھ برس کی تھیں۔ اس کم سنی کی شادی کا اصل منشا نبوت اور خلافت کے درمیان تعلقات کی مضبوطی تھی۔ ایک تو خود عرب کی گرم آب وہوا میں عورتوں کے غیر معمولی نشوونما کی طبعی صلاحیت ہے، دوسرے عام طور پر بھی دیکھا گیا ہے کہ جس طرح ممتاز اشخاص کے دماغی اور ذہنی قویٰ میں ترقی کی غیر معمولی استعداد ہوتی ہے، اسی طرح قد وقامت میں بھی بالیدگی کی خاص قابلیت ہوتی ہے۔ اس کو انگریزی میں پری کانشس کہتے ہیں (سید سلیمان ندوی، سیرت عائشہ، مطبوعہ دار المصنفین، اعظم گڑھ، صفحہ 24)۔

سید سلیمان ندوی کی کتاب میں اس لفظ کو پری کانشس لکھا گیا ہے۔ کتاب میں اس کی انگریزی اسپلنگ درج نہیں۔ میرے خیال کے مطابق، غالباً مصنف کی مراد جس انگریزی لفظ سے ہے وہ پری کانشس نہیں ہے بلکہ وہ (precocious) ہے۔ پری کاشش کا مطلب انگریزی زبان میں قبل از وقت نشوونما ہے:

> Precocious: Ripe before the proper or natural time, premature, developed or matured earlier than usual (Webster)
>
> (of a child) having developed particular abilities and ways of behaving at a much younger age than usual, sexually precocious. (Oxford)

اگرچہ حدیث یا تاریخ سے ثابت نہیں کہ عائشہ صدیقہ کا کیس قبل از وقت بالیدگی کا کیس تھا۔ اس معاملہ میں یہ تمام تر ایک مفروضہ ہے۔ تاہم اصل مسئلہ کی نسبت سے یہ جواب ایک غیر متعلق جواب ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ صحیح روایات میں عددی تعین کے ساتھ یہ بات آئی ہے کہ چھ سال میں نکاح اور نو سال میں رخصتی۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ کی عمر اس وقت پچاس سال سے زیادہ ہو چکی تھی۔ اصل سوال عمر میں اسی ثابت شدہ فرق کے بارے میں ہے، نہ کہ بالیدگی کے بارے میں۔

اسی طرح کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ: عربوں میں شادی سے پہلے، رشتہ کے متعلق بات طے کر لینے کا رواج تھا۔ یہ وہی چیز تھی جسے ہمارے ہاں نسبت ٹھہرانا یا منگنی کرنا کہتے ہیں۔ قرآن میں صرف نکاح کا ذکر ہے، نسبت اور منگنی کا نہیں۔ لہٰذا روایات میں جو کہا گیا ہے کہ عائشہ کا نکاح چھ برس کی عمر میں ہوا اور رخصتی نو برس کی عمر میں، تو وہاں نکاح سے مقصود، عربی معاشرہ کی رسم کے مطابق، رشتہ کی بات چیت کا طے پانا (یا منگنی کرنا) ہے اور رخصتی سے مراد شادی ہے (غلام احمد پرویز، طاہرہ کے نام خطوط، عائشہ کی عمر، صفحہ 2-1)۔

یہ توجیہ بھی درست نہیں۔ احادیث میں جب نکاح کا لفظ آیا ہے تو اس کو ہمیں نکاح کے معروف معنی ہی میں لینا ہوگا۔ نکاح کے لفظ کو کسی اور معنی میں لینے کے لیے خود متن حدیث میں اس کا ثبوت ملنا چاہیے جو کہ موجود نہیں۔ مزید یہ کہ اس توجیہ سے اصل اعتراض ختم نہیں ہوتا۔ کیوں کہ نکاح کی عمر خواہ چھ سال مانی جائے یا نو سال، دونوں حالتوں میں وہ کم عمری ہی کی شادی ہے۔ پھر اس توجیہ کا کیا فائدہ۔

اسی طرح کچھ لوگ ایک اور نکتہ بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: عائشہ صدیقہ نے صحابہ کی مرویات پر تنقید کی اور کہا: ''میں تو نہیں کہتی کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں لیکن کان

سننے میں غلطی کرجاتے ہیں"۔ بخاری و مسلم میں اس قسم کی متعدد تنقیدات موجود ہیں۔ اس سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ بعض اوقات راوی انتہائی معتبر ہوتا ہے۔ اس کے باوجود اس کی بیان کردہ روایت غلط ہوجاتی ہے۔

کبھی اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ راوی نے ادھوری بات سنی ہوتی ہے۔ کبھی راوی مفہوم غلط سمجھ بیٹھتا ہے، کبھی اس سے بھول واقع ہوتی ہے۔ ہم بھی بقول ام المومنین یہ کہتے ہیں کہ راوی سے سننے میں غلطی ہوئی۔ جملہ بولا گیا تھا تسع عشر (انیس) راوی نے صرف تسع (نو) کا لفظ سنا اور اس طرح اس داستان نے جنم لیا کہ بعض اوقات کان سننے میں غلطی کرتے ہیں۔ (حبیب الرحمن صدیقی کاندھلوی، عمر عائشہ، مطبوعہ کراچی، اکتوبر 1994ء صفحہ 9-8)

یہ قیاس بھی درست نہیں۔ عائشہ صدیقہ کا مذکورہ اصول وہاں قابل انطباق ہوگا جہاں روایت کرنے والا اور روایت کی تردید کرنے والا دونوں یکساں طور پر سامع کی حیثیت رکھتے ہوں۔ ایک سامع دوسرے سامع کے بارے میں کہہ سکتا ہے کہ اس نے سننے میں غلطی کی، میرے سننے کے مطابق، اصل بات یہ تھی۔ مگر ایک غیر سامع جو بات کو سننے میں شریک نہ ہو وہ مذکورہ قیاس کی بنیاد پر تردید کا حق نہیں رکھتا۔ اس قسم کا استدلال سراسر غیر معقول ہے۔ اگر اس توسیعی قیاس کو ایک درست اصول مان لیا جائے تو کوئی شخص ایسے قیاسات پیش کرسکتا ہے جو پورے دین کا حُلیہ بگاڑ دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں بحث کا نقطۂ آغاز ہی نہیں ہے کہ ایک کم عمر لڑکی کی شادی زیادہ عمر کے انسان سے کیوں ہوئی۔ بلکہ اس معاملہ میں بحث کا صحیح نقطۂ آغاز یہ ہے کہ یہ جاننے کی کوشش کی جائے کہ عائشہ صدیقہ تاریخ کی ایک استثنائی

شخصیت کیوں بن گئیں۔ اس معاملہ میں پہلے واقعہ کو دوسرے واقعہ کے تابع کر کے دیکھا جائے گا، نہ کہ اس کے برعکس۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ پوری مسلم تاریخ میں عائشہ صدیقہ اپنے رول کے اعتبار سے ایک منفرد اور ممتاز شخصیت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ دینِ اسلام کی روح کو اُنھوں نے جتنی گہرائی کے ساتھ سمجھا اُتنی گہرائی کے ساتھ کسی بھی دوسرے مرد یا عورت نے نہیں سمجھا۔ دین کے نازک پہلوؤں کی تشریح میں وہ جس یقین کے ساتھ بولتی ہیں، اس یقین کے ساتھ کوئی بھی دوسرا بول نہ سکا۔ انھوں نے دین کی حکمتوں کی جس طرح وضاحت کی ہے اُس طرح وضاحت کرنے والا کوئی بھی دوسرا شخص نظر نہیں آتا، نہ دورِ صحابہ میں اور نہ دورِ صحابہ کے بعد۔ اسی سوال کے جواب میں اصل مسئلہ کا جواب چھپا ہوا ہے۔

اصل یہ ہے کہ دین میں سب سے بڑی چیز معرفت ہے۔ یہ معرفت پیغمبر کو کامل درجہ میں حاصل ہوتی ہے۔ پیغمبر کو یہ معرفت جبرئیل کے واسطہ سے براہ راست خدا کی طرف سے ملتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ پیغمبر کے بعد یہ معرفتِ کامل کس طرح کسی کو ملے۔ اسی معرفتِ کامل کے حصول کے لیے عائشہ صدیقہ کو چنا گیا۔ عملی طور پر اس کی صرف ایک صورت تھی، اور وہ یہ کہ عائشہ کو ابتدائی عمر ہی میں پیغمبر کی صحبت کا موقع دے دیا جائے۔ اس معرفت کامل کے لیے صحبت کامل درکار تھی۔ اور کسی انسان کے ساتھ صحبتِ کامل کا موقع صرف اس کی بیوی کو مل سکتا ہے، کسی اور کو نہیں۔

نفسیات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ بچہ اپنی ابتدائی عمر میں بے حد متجسس (inquisitive) ہوتا ہے۔ وہ اپنے باہر کی باتوں کو جاننے کے لیے بے حد شائق (eager to learn) ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ بچہ اپنی ابتدائی عمر میں بہت تیز ذہن (sharp

mind) ہوتا ہے۔ وہ نئی نئی چیزوں کو فی الفور پکڑ تا ہے۔ مطالعہ سے بھی ثابت ہوا ہے کہ ابتدائی عمر میں ہر مرد اور ہر عورت کا حافظہ بہت قوی ہوتا ہے۔ ابتدائی عمر میں جو باتیں انسان کے علم میں آجائیں وہ پھر کبھی اس کو نہیں بھولتیں۔ ابتدائی عمر سے بچوں کی اسکولنگ شروع کرنے کا نظریہ اسی خاص اُصول پر قائم ہے۔

عائشہ صدیقہ نہایت ذہین خاتون تھیں۔ اُن کو بے حد اَخّاذ طبیعت ملی تھی۔ اس لیے خدا کی منشا ہوئی کہ ان کو کم عمری میں پیغمبر کی مستقل صحبت میں دے دیا جائے۔ اور اسی مستقل صحبت کی عملی صورت صرف یہ تھی کہ وہ آپ کی زوجہ کی حیثیت سے آپ کی شریک زندگی بن جائیں۔ اسی خاص منصوبہ کے تحت عائشہ صدیقہ کو کم عمری میں پیغمبر اسلام ﷺ کی زوجیت میں دے دیا گیا۔

یہ نکاح بظاہر ایک غیر رواجی نکاح تھا۔ وہ مروجہ طریقہ کے خلاف تھا۔ اس بنا پر عین ممکن تھا کہ پیغمبر اسلام اس کو قبول نہ کرتے۔ حتی کہ یہ امکان تھا کہ وہ اس رشتہ کو قابل غور بھی نہ سمجھیں۔ غالباً اسی نزاکت کی بنا پر یہ ہوا کہ خدا کا فرشتہ آپ کے پاس آیا اور اس غیر معمولی رشتہ کے بارے میں اس نے آپ کو پیشگی خبر دی تاکہ آپ کو اس معاملہ میں تردّد نہ رہے۔ یہ تقریباً ویسا ہی ایک معاملہ تھا جو اس سے پہلے مریم کے ساتھ پیش آچکا تھا۔ مریم کو اس پر سخت تردّد ہوسکتا تھا کہ ان کے یہاں بغیر باپ کے ایک بچہ پیدا ہو۔ اس لیے اللہ تعالی نے ان کے پاس پیشگی طور پر ایک فرشتہ بھیجا۔ اس نے انسان کی صورت اختیار کر کے مریم کو اس معاملہ کی خبر دی۔ اس کا ذکر قرآن میں واضح الفاظ میں آیا ہے (مریم، 17:19)۔

اس رشتہ کے بارے میں فرشتہ کا پیشگی خبر دینا صحیح روایات سے ثابت ہے۔ چنانچہ

روایات میں آیا ہے کہ عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا کہ مجھ کو خواب میں تمہیں دکھایا گیا کہ ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں تم کو لے کر آتا ہے۔ فرشتہ نے کہا کہ یہ تمہاری بیوی ہے۔ میں نے تمھارے چہرے سے کپڑا اٹھایا۔ پھر دیکھا کہ تم ہو۔ میں نے کہا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو یہ پورا ہو کر رہے گا:

قَالَتْ: قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَأَيْتُكِ فِي المَنَامِ يَجِيءُ بِكِ المَلَكُ فِي سَرَقَةٍ مِنْ حَرِيرٍ، فَقَالَ لِي: هَذِهِ امْرَأَتُكَ، فَكَشَفْتُ عَنْ وَجْهِكِ الثَّوْبَ فَإِذَا أَنْتِ هِيَ، فَقُلْتُ: إِنْ يَكُ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ يُمْضِهِ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 5125)۔

عائشہ صدیقہ پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ گیارہ سال تک رہیں۔ چوں کہ اُن کی عمر آپ کے مقابلہ میں بہت کم تھی، پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد وہ تقریباً پچاس سال تک زندہ رہیں۔ آپ کی وفات کے بعد وہ تقریباً نصف صدی تک علم نبوت کی اشاعت کا ذریعہ بنی رہیں۔ واقعات بتاتے ہیں کہ عائشہ صدیقہ نے دین کی ایسی گہری حکمتیں بتائیں جو کسی دوسرے صحابی کے ذریعہ امت کو نہیں مل سکیں۔ مزید یہ کہ پیغمبر کی مسلسل صحبت سے ان کو اپنے تصورات دین کی صداقت پر غیر معمولی یقین حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نازک دینی مسائل میں جس قطعیت کے ساتھ بولتی رہیں اس طرح بولنے کی جرأت کوئی دوسرا نہ پہلے کر سکا اور نہ اب کر سکتا ہے۔

مثلاً ایسا ہوتا ہے کہ لوگ عقیدت مندی کے تحت ایک رائے بنا لیتے ہیں جو حقیقتِ واقعہ سے مطابقت نہیں رکھتی۔ پھر جب ایسی باتیں پھیل جائیں تو عام آدمی کو اس کی جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اس کی تردید کرے۔ ایسے موقع پر غیر معمولی بصیرت درکار ہوتی

ہے۔ غیر معمولی بصیرت کا حامل انسان ہی ایسے موقع پر کوئی قطعی بات کہنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ عائشہ صدیقہ کو پیغمبر اسلام ﷺ کی مسلسل صحبت سے یہی بصیرت ملی تھی۔ جس کی بنا پر وہ کامل یقین کے ساتھ کام کرسکتی تھیں۔ مثلاً وفاتِ رسول کے بعد دورِ تابعین میں یہ کہا جانے لگا کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ تو انھوں نے اسے رد کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص یہ کہے وہ غلط کہتا ہے (صحیح بخاری، حدیث 4855)۔

اسی طرح وفات رسول کے بعد جو زمانہ آیا اس زمانہ میں ختم قرآن کا طریقہ رائج ہو گیا۔ لوگ قرآن میں تدبّر کے بجائے اس کو اہمیت دینے لگے کہ لفظی تلاوت کے ذریعہ بار بار قرآن کو ختم کیا جاتا ہے۔ اس ختم پر بڑے بڑے ثواب بتائے جانے لگے۔ یہ بات عائشہ صدیقہ کو معلوم ہوئی کہ فلاں لوگ ایک دن کے اندر اتنی بار قرآن ختم کر لیتے ہیں، تو انھوں نے اس طریقے کو ناپسند کرتے ہوئے یہ تبصرہ کیا کہ ان لوگوں نے ظاہری الفاظ تو پڑھے، مگر حقیقت میں قرآن کو نہیں پڑھا (مسند احمد، حدیث نمبر 24609)۔

زوجۂ رسول ہونے کی وجہ سے لوگ اس طرح کی نازک چیزوں میں عائشہ صدیقہ کی بات پر یقین کر سکتے ہیں۔ کوئی دوسرا شخص ایسا بیان دے تو لوگوں کے لیے اس پر یقین کرنا مشکل ہو جائے گا۔

ایک روایت ہے جس میں یوسف بن ماہک کہتے ہیں کہ میں ام المومنین عائشہ کے پاس تھا۔ اتنے میں ان کے پاس ایک عراقی شخص آیا۔ اس نے کہا کہ کون سا کفن بہتر ہے۔ عائشہ صدیقہ نے جواب دیا کہ تم پر افسوس ہے، اس سے تمھیں کیا فرق پڑتا

ہے۔ پھر اس نے کہا کہ اے ام المومنین، مجھ کو اپنا مصحف (قرآن) دکھائیے۔ انھوں نے کہا کہ کس لیے۔ اس نے کہا تا کہ میں اس کے مطابق ایک قرآن تیار کروں، کیوں کہ وہ مختلف ترتیب سے پڑھا جا رہا ہے۔ عائشہ نے کہا کہ تمہارا اس میں کیا نقصان ہے، جس طرح تم پہلے پڑھ رہے تھے، وہی پڑھو:

وَأَخْبَرَنِي يُوسُفُ بْنُ مَاهَكٍ، قَالَ:إِنِّي عِنْدَ عَائِشَةَ أُمِّ المُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، إِذْ جَاءَهَا عِرَاقِيٌّ، فَقَالَ:أَيُّ الكَفَنِ خَيْرٌ؟ قَالَتْ:وَيْحَكَ، وَمَا يَضُرُّكَ؟ قَالَ:يَا أُمَّ المُؤْمِنِينَ، أَرِينِي مُصْحَفَكِ؟ قَالَتْ :لِمَ؟ قَالَ:لَعَلِّي أُوَلِّفُ القُرْآنَ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ يُقْرَأُ غَيْرَ مُؤَلَّفٍ، قَالَتْ: وَمَا يَضُرُّكَ أَيَّهُ قَرَأْتَ قَبْلُ؟(صحیح البخاری، حدیث نمبر 4993)۔

عائشہ صدیقہ نے اس گفتگو میں جس یقین اور وضاحت کے ساتھ روح اسلام کی نمائندگی کی ہے وہ بے حد اہم ہے۔ اس یقین اور وضاحت کے ساتھ بولنا ان کے لیے صرف اس بنا پر ممکن ہو سکا کہ وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قریبی صحبت سے اسلام کی روح کو بھر پور طور پر سمجھ چکی تھیں۔ وہ کسی ادنیٰ شبہ کے بغیر جانتی تھیں کہ اس معاملہ میں اسلام کا تقاضا کیا ہے۔

عائشہ صدیقہ کی فہم وبصیرت سے متعلق اس طرح کی کچھ اور مثالیں اس کتاب کے دوسرے ابواب میں ملیں گی۔ ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عائشہ کی نکاح کے بارے میں عمر کا مسئلہ صرف ایک اضافی مسئلہ ہے۔ اس معاملہ میں اصل فیصلہ کن بات یہ ہے کہ تعلیم وتربیت کی جس مصلحت کے تحت یہ نکاح ہوا اس کا کوئی بھی بدل سرے سے موجود نہ تھا۔ (عورت معمارِ انسانیت)

حضرت عائشہ کا نکاح

پیغمبر اسلام ﷺ کا پہلا نکاح حضرت خدیجہ سے ہوا۔ خدیجہ مکہ کی ایک با اثر خاتون تھیں۔ اس بنا پر اس نکاح سے پیغمبر اسلام کو مکہ میں ایک مضبوط سماجی بنیاد (social base) حاصل ہوگئی۔ مکہ میں یہ سماجی بنیاد آپ کو تقریباً 25 سال حاصل رہی۔ آپ ایک صاحب مشن تھے، اور اپنے مشن کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لیے ضروری ہے کہ صاحب مشن کو مضبوط سماجی بنیاد حاصل ہو۔

حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد پیغمبر اسلام کا دوسرا نکاح حضرت عائشہ سے ہوا۔ یہ نکاح مکی دور کے آخری زمانے میں ہوا، اور ہجرت کے بعد مدینہ میں ان کی رخصتی ہوئی۔ اس وقت عائشہ کی عمر نو سال تھی، اور پیغمبر اسلام کی عمر 53 سال۔ عمر کے اس فرق کو لے کر لوگوں کے درمیان بہت بحثیں جاری ہیں۔ لوگ طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ یہ معاملہ صرف نکاح کا معاملہ نہیں تھا، بلکہ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد بطور واقعہ یہ ایک نئی سوشل بنیاد حاصل کرنے کا معاملہ تھا۔ حضرت عائشہ سے نکاح کے بعد، پیغمبر اسلام کو ان کے باپ کی صورت میں ایک نئی مضبوط تر بنیاد حاصل ہوگئی۔ جیسا کہ تاریخی طور پر معلوم ہے، حضرت ابو بکر صدیق آپ کی زندگی میں بھی آپ کے مضبوط ساتھی بنے رہے، اور آپ کی وفات کے بعد بھی انھوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام کے استحکام (stability) کے لیے نہایت اہم رول ادا کیا۔

فطرت کے نظام کے تحت ہر انسان کو کامیاب زندگی کے لیے سماجی بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن کے مطابق یہ سماجی بنیاد دو طریقوں سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک خونی

رشتہ اور دوسرا نکاح کا رشتہ۔ فطرت کے نظام کے تحت یہی دو چیزیں مضبوط سماجی بنیاد کا ذریعہ ہیں۔ ہر انسان انھیں دو رشتوں کی مدد سے سماج میں مضبوط بنیاد حاصل کرتا ہے۔ اس سماجی بنیاد کی ضرورت ہر انسان کو ہوتی ہے، حتی کہ پیغمبر کو بھی۔ یہ فطرت کا نظام ہے، اور فطرت کے نظام میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔

اس سلسلے میں قرآن کی ایک رہنما آیت ان الفاظ میں آئی ہے: وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا (25:54)۔ یعنی، اور وہی ہے، جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا۔ پھر اس کو خاندان والا اور صہر والا بنایا۔ اور تمہارا رب بڑی قدرت والا ہے۔

قرآن کی اس آیت میں خالق نے انسان کے اوپر اپنی ایک نعمت کو بتایا ہے۔ انسان کے درمیان دو طریقوں سے تعلقات قائم ہوتے ہیں، ایک خونی رشتہ (blood relationship) اور دوسرا صہر یعنی نکاح کا رشتہ (marriage relationship)۔ انھیں فطری بنیادوں پر انسانی سماج (human society) قائم ہے۔ اگر یہ دو فطری عوامل نہ ہوں تو انسان کی زندگی حیوان کی مانند جنگل کی زندگی بن جائے۔ یہ فطری تعلقات دنیا کی زندگی میں انسان کے لیے سماجی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ اس پہلو کی طرف اشارہ قرآن کی ایک آیت میں رهط (family) کے لفظ سے کیا گیا ہے۔ قرآن کی وہ آیت یہ ہے: قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ (11:91)۔ یعنی، انھوں نے کہا کہ اے شعیب، جو تم کہتے ہو، اس کا بہت سا حصہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ اور ہم تو دیکھتے ہیں کہ تم ہم میں کمزور ہے۔ اور اگر تمھارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے۔ اور ہم تمھیں صاحب حیثیت نہیں سمجھتے۔

قرآن کے اس حوالے سے مذکورہ توجیہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ مکی دور میں رسول اللہ ﷺ کو اس قسم کی تائیدات برابر ملتی رہیں۔ پہلے بنو ہاشم، اس کے بعد خدیجہ کا خاندان، اس کے بعد حضرت ابوبکر کا خاندان۔ یہ رسول اللہ کے لیے ایک فطری تائید تھی، جو نسبی اور صہری تعلقات کی بنیاد پر آپ کو حاصل ہوئی۔ حضرت عائشہ کے ساتھ آپ کے نکاح کو اس پس منظر میں دیکھا جائے تو وہ نہایت بامعنی نظر آئے گا۔ خاص طور پر حضرت ابوبکر صدیق کا معاملہ بہت زیادہ اہم ہے۔ وہ رسول اللہ کی زندگی میں آپ کے ایک اہم ساتھی بنے، اور رسول اللہ کی زندگی کے بعد بھی انھوں نے خلیفہ کی صورت میں اسلام کے استحکام کے لیے نہایت اہم رول ادا کیا۔ (الرسالہ، اپریل 2017)

نکاح کی حکمت

جیسا کہ معلوم ہے، عائشہ صدیقہ کا نکاح جب پیغمبر اسلام ﷺ سے ہوا اُس وقت ان کی عمر دس سال سے کم تھی۔ نکاح کے بعد وہ پورے مدنی دور میں پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ رہیں۔ یہ مدنی دور جو دس سال پر مشتمل ہے، اسلام کی ابتدائی تاریخ کا سب سے زیادہ پُر از واقعات (eventful) دور کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پورے مدنی دور میں وہ مسلسل طور پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ رہیں، حتی کہ وہ سفر میں بھی آپ کے ساتھ ہوتی تھیں۔ اس طرح یہ دس سالہ زمانہ عائشہ صدیقہ کے لیے گویا ایک زندہ مدرسہ کے ساتھ وابستگی کا زمانہ ہے۔

کم عمری میں عائشہ صدیقہ کا نکاح جب پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ ہوا اس کا اصل مقصد یہی تھا۔ عائشہ صدیقہ اس وقت اپنی عمر کے اس حصہ میں تھیں جس کو تشکیلی دور (formative period) کہا جاتا ہے۔ نفسیات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ تقریباً دس

سال کی عمر تک ہر مرد اور عورت کا ذہن بڑی حد تک بن جاتا ہے۔ اس کی کنڈیشننگ اتنی زیادہ ہو چکی ہوتی ہے کہ بعد کے مرحلہ میں اس کو توڑنا بے حد مشکل ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ صدیقہ کے والد ابوبکر صدیق نے اس راز کو سمجھا۔ انہوں نے سوچے سمجھے نقشہ کے مطابق، اپنی ذہین صاحبزادی کا نکاح کم عمری میں پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ کر دیا۔ یہ کام خلیفۂ اوّل ابوبکر صدیق کی کامل رضامندی کے تحت پیش آیا۔ اس میں بیک وقت گہرا اخلاص بھی شامل تھا اور اسی کے ساتھ اعلیٰ ہوش مندی بھی۔

اس نکاح یا دوسرے لفظوں میں تعلیمی منصوبہ بندی کا وہ نتیجہ سامنے آیا جو پوری انسانی تاریخ میں غالباً واحد مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس منصوبہ بندی کے نتیجہ میں عائشہ صدیقہ جیسی ایک قابل شخصیت تیار ہوئی جس کو اپنی عمر کے ریسیپٹیو (receptive) مرحلہ میں پیغمبر کامل کی صحبت میں اپنے آپ کو تیار کرنے کا موقع ملا۔ اس طرح وہ علمِ نبوت کی مکمل وارث بن گئیں اور پھر پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد تقریباً پچاس سال تک لوگوں کے درمیان علم نبوت کی اشاعت کرتی رہیں۔ وہ گویا پرنٹنگ پریس اور ٹیپ ریکارڈر کے دور سے پہلے پیغمبر اسلام ﷺ کی ایک زندہ ٹیپ ریکارڈر بن گئیں۔

نبوت کی علمی فیض رسانی کا یہ سلسلہ عائشہ صدیقہ کے ذریعہ پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد بھی لمبی مدت تک جاری رہا۔ ایسا صرف اس لیے ممکن ہوا کہ اُن کا نکاح کم عمری میں پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ ہو گیا تھا۔ اگر ایسا ہوتا کہ جو عمر پیغمبر اسلام ﷺ کی تھی تقریباً وہی عمر عائشہ صدیقہ کی بھی ہوتی تو دونوں کی وفات کسی قدر فرق کے ساتھ ایک ہی وقت میں ہو جاتی۔ جب پیغمبر اسلام ﷺ کی زبان بند ہوتی تو عائشہ صدیقہ کی زبان بھی ساتھ ہی بند ہو جاتی اور علم نبوت کی فیض رسانی کا سلسلہ بھی اچانک ٹوٹ جاتا۔

یہاں یہ اضافہ کرنا ضروری ہے کہ پیغمبر سے اکتسابِ علم کا یہ معاملہ کسی مرد کے ساتھ نہیں ہوسکتا تھا۔ اس مقصد کے لیے ایک خاتون درکار تھیں جو زوجہ کی حیثیت سے مستقل طور پر آپ کے ساتھ رہیں۔ مسلسل صحبت کا تعلق صرف اپنی زوجہ کے ساتھ ہوسکتا تھا، نہ کہ کسی مرد کے ساتھ۔ ان مصلحتوں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو عائشہ صدیقہ کا مذکورہ نکاح ایک ایسا دوررس منصوبہ تھا، جس کا فائدہ قیامت تک کے لیے پوری انسانیت کو حاصل ہوا۔ اس معاملہ کے مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھا جائے اور اس پر غیر جانبدارانہ انداز سے رائے قائم کی جائے تو یہ سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ جو ہوا وہی ہوسکتا تھا۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لیے کوئی دوسرا متبادل سرے سے موجود ہی نہ تھا۔

دین اسلام کا اصل ماخذ قرآن و حدیث ہے۔ قرآن و حدیث کو اسلام کا متن (text) کہہ سکتے ہیں۔ یہ متن گویا دینِ اسلام کا لفظی بیان (literal statement) ہے۔ جو آدمی یہ جاننا چاہے کہ اسلام کیا ہے وہ قرآن و حدیث کے مطالعہ سے اس کو معلوم کرسکتا ہے۔

تاہم ایک اور چیز ہے جس کی دین میں بے حد اہمیت ہے اور وہ صحبت ہے۔ صحبت کا مطلب مجلس میں خاموش بیٹھنا نہیں ہے، بلکہ اس میں فکری تبادلہ (intellectual exchange) لازمی طور پر شامل ہے۔ حقیقی معنوں میں صحبت یافتہ وہ ہے جو مجلس میں اس طرح شرکت کرے کہ وہ صاحب مجلس سے باقاعدہ استفادہ کر رہا ہو۔ وہ سوال و جواب کی صورت میں اپنے علم کو بڑھا رہا ہو۔ وہ غیر واضح امور کو مزید گفتگو کے ذریعہ واضح بنا رہا ہو اور اسی کے ساتھ وہ صاحب مجلس کے تجربہ، اس کی روحانیت، اور اس کی بڑھی ہوئی معرفت خداوندی سے شخصی فیض حاصل کر رہا ہو۔

صحابہ کرام اسی صحبت رسول کی عملی مثالیں ہیں۔ مگر عائشہ کی صورت میں ایک

استثنائی مثال قائم کی گئی جوصحبت کی کامل مثال تھی۔ جوصحبت کے فوائد کا کامل نمونہ تھی۔ مزید یہ کہ یہ نمونہ ایک ایسا نمونہ بن گیا جو پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد بھی لمبی مدت تک لوگوں کوصحبت کی اہمیت سے آگاہ کرتا رہے۔

عائشہ صدیقہ گویا صحبت رسول کی زندہ تفسیر ہیں۔ ان کی زندگی میں صحبت کے اصول نے گویا ایک ادارہ (institution) کی صورت اختیار کرلی۔ اب اس ادارہ کو امت کے اندر مستقل طور پر زندہ رکھنا ہے۔ ہر نسل کے سینئر افراد کو چاہیے کہ وہ اگلی نسل کے مردوں اور عورتوں کوصحبت کا یہ فیض پہنچاتے رہیں۔ تا کہ دین اسلام نہ صرف متن (text) کے اعتبار سے محفوظ رہے بلکہ صحبت کے ادارہ کی صورت میں اس کا ذہنی اور روحانی فیض بھی ہمیشہ جاری رہے۔ (عورت معمارِ انسانیت)

سورۂ نور کی روشنی میں

غزوہ بنی المصطلق 6ھ میں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس غزوے سے فارغ ہوکر مدینہ واپس آرہے تھے۔ آپ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں۔ ان کی سواری کا اونٹ علاحدہ تھا۔ اس مقام پر قافلہ رکا۔ رات کو کوچ سے پہلے حضرت عائشہ قضائے حاجت کے لیے جنگل کی طرف چلی گئیں۔ وہاں ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا جس کو تلاش کرنے میں دیر لگی، ادھر کوچ کا وقت ہوگیا۔ لوگوں نے سمجھا کہ حضرت عائشہ اپنے ہودج میں ہیں۔ چنانچہ سب اونٹوں کے ساتھ ان کا اونٹ بھی ہانک دیا گیا۔ حضرت عائشہ واپس آئیں تو وہاں کوئی نہ تھا۔ انھوں نے رائے قائم کی کہ مجھ کو یہیں ٹھہرنا چاہیے۔ آگے جا کر جب میں نہ ملوں گی تو لوگ تلاش کرتے ہوئے یہیں آئیں گے۔ اس کے بعد ان کو نیند آئی اور وہ وہیں سوگئیں۔ صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ قافلے کی خبر

گیری کے لیے پیچھے رہا کرتے تھے۔ وہ صبح کو اس مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ کوئی سو رہا ہے۔ قریب آکر پہچانا تو گھبراہٹ میں ان کی زبان سے نکلا: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ یہ سن کر حضرت عائشہ کی آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے چادر سے اپنا چہرہ ڈھانک لیا۔ حضرت صفوان نے خاموشی سے اپنا اونٹ ان کے قریب لاکر بٹھادیا۔ حضرت عائشہ بھی خاموشی کے ساتھ اس پر سوار ہوگئیں۔ اب حضرت صفوان اونٹ کی نکیل پکڑ کر تیزی سے چلنے لگے۔ یہاں تک کہ دوپہر کے وقت قافلے میں شامل ہوگئے۔ مدینہ میں یہ خبر پھیلی تو کچھ بدباطن لوگوں کو موقع مل گیا کہ وہ زوجۂ رسول ﷺ پر جھوٹی تہمت لگائیں اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کی دینی تحریک کو بدنام کریں۔ حتیٰ کہ بعض سیدھے سادے مسلمان بھی اس الزام میں شریک ہوگئے۔ مثلاً حضرت حسان بن ثابت، حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنہ بنت جحش۔ ایک ماہ سے زیادہ عرصے تک یہ خبر گرم رہی۔ یہاں تک کہ قرآن میں اس کی تردید نازل ہوئی اور اس کے بارے میں واضح احکام دیے گئے۔ یہاں چند آیتوں کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے:

”جو لوگ پاک دامن عورتوں پر الزام لگائیں، پھر اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسّی (80) کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ یہی لوگ اصلی نافرمان ہیں۔ مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کرلیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے (24:4-5)۔ جو لوگ یہ طوفان لائے ہیں وہ تمھیں میں سے ایک جماعت ہیں۔ تم اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو کہ وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے جو گناہ کمایا وہ اس کے لیے ہے اور جس نے اس کا بڑا بوجھ اٹھایا اس کے لیے بڑا عذب ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ بات سنی تو مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کی بابت نیک

گمان کرتے اور کہہ دیتے کہ یہ ایک کھلا ہوا بہتان ہے۔ وہ اپنے الزام کو ثابت کرنے کے لیے چار گواہ کیوں نہ لائے۔ پھر جب وہ گواہ نہ لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔ جب تم اپنی زبانوں سے وہ بات نقل کررہے تھے اور اپنے منھ سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کی بابت تم کو کوئی علم نہ تھا۔ اور تم اس کو معمولی بات سمجھ رہے تھے۔ حالاں کہ اللہ کے نزدیک وہ بہت بڑی بات ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس کو سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ ہمیں کیا حق ہے کہ ہم ایسی بات زبان پر لائیں۔ اللہ پاک ہے، یہ ایک بہت بڑا بہتان ہے۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں فحش کاری کا چرچا ہو ان کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (24:11-19)۔

ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کی عزت پر حملہ کرنا حرام ہے۔ اور جب معاملہ مسلمان عورت کا ہو تو اس کی شناعت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ پاک باز مسلم خاتون پر تہمت لگانا سو برس کے عمل کو ڈھا دیتا ہے: إِنَّ قَذْفَ الْمُحْصَنَةِ يَهْدِمُ عَمَلَ مِائَةِ سَنَةٍ (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر 3023)۔ بخاری و مسلم کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو۔ لوگوں نے پوچھا اے خدا کے رسول وہ کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو، اللہ کی حرام کی ہوئی جان کو حق کے بغیر قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدانِ جہاد سے بھاگنا اور بھولی بھالی پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا:

وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 2766؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 89)۔

اس میں ہمارے لیے بہت سے سبق ہیں۔ اس سلسلے میں یہاں چند اشارے درج کیے جاتے ہیں:

1۔ ایک سادہ سے واقعہ کو بہانہ بنا کر جن لوگوں نے مذکورہ مہم چلائی ان کا مقصد رسول یا زوجۂ رسول کو بدنام کرنے سے زیادہ دعوتِ اسلامی کو بدنام کرنا تھا۔ رسول کو اخلاقی حیثیت سے مشتبہ ثابت کرکے وہ دراصل رسول کی دعوت کو مشتبہ ثابت کرنا چاہتے تھے۔ یہی ہر زمانے میں شیطان کا طریقہ ہے۔ مگر اس قسم کی کوشش خواہ کتنے ہی بڑے پیمانہ پر کی جائے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔ کیوں کہ حق کی دعوت جب بھی اٹھتی ہے وہ براہِ راست خدا کی حمایت کے تحت اٹھتی ہے۔ اس کو مشتبہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا گویا خدا کے منصوبے سے ٹکرانا ہے اور کون ہے جو خدا کے منصوبے سے ٹکرا کر کامیاب ہو۔ حق کی دعوت کے لیے مقدر ہے کہ وہ لازماً قائم رہے، یہاں تک کہ وہ حق کو ناحق سے جدا کرنے میں آخری حد تک کامیاب ہوجائے۔

2۔ امتحان کی اس دنیا میں ایک معصوم اور بے قصور آدمی کے ساتھ کبھی کوئی ایسا واقعہ پیش آسکتا ہے جس کو غلط معنی پہنایا جا سکے اور اس طرح خدا سے بے خوف لوگوں کو موقع مل جائے کہ وہ اس کے ذریعہ اس کو بدنام کرسکیں۔ مگر جو اللہ سے ڈرنے والے لوگ ہیں ان کو ایسے موقع پر ہمیشہ خوش گمانی کے تحت رائے قائم کرنا چاہیے۔ ان کو ایسا نہ کرنا چاہیے کہ محض سن کر بلا تحقیق اس کو صحیح مان لیں اور

اس کو پھیلانے میں لگ جائیں۔

3۔ ایسے کسی الزام کو درست ماننے کے لیے ضروری ہے کہ چار معتبر آدمی اس کے حق میں گواہی دیں۔ اگر الزام لگانے والا چار گواہ نہ پیش کر سکے تو یقین کیا جائے گا کہ وہ جھوٹا ہے۔ اور اس جرم میں اس کو 80 کوڑے مارے جائیں گے۔ اس کے بعد اگر وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرے اور اپنی اصلاح کر لے تو امید ہے کہ اللہ اس کو معاف کر دے گا۔ مگر مسلمانوں کے معاملات میں گواہ بننے کے لیے پھر بھی وہ نا اہل رہے گا۔ اس کے بعد اس کی گواہی کبھی قبول نہیں کی جائے گی۔

4۔ کسی پاک دامن خاتون پر جھوٹی تہمت لگانا ایسا سنگین جرم ہے جس کی سخت ترین سزا نہ صرف آخرت میں ملتی ہے بلکہ دنیا میں بھی ایسے آدمی کو اس کی سزا مل کر رہتی ہے۔ کسی کی عزت پر حملہ کرنا کمینہ پن کی بات ہے اور ایسا جرم جس کے ساتھ کمینہ پن شامل ہو وہ آدمی کو اللہ کی رحمت سے آخری حد تک محروم کر دیتا ہے۔ ایسے شخص سے جہنم اتنی قریب آجاتی ہے کہ وہ دنیا ہی میں اس کی آنچ سے جلنا شروع ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دوسرے پر حملہ سب سے پہلے اپنے آپ پر حملہ ہے۔

5۔ اسلامی ماحول خدا پرستی کا ماحول ہوتا ہے۔ اسلامی ماحول وہ ہے جہاں ہر آدمی اس احساس کے ساتھ اپنی زبان کھولے کہ اس کو اپنے بولے ہوئے الفاظ کا حساب اللہ کو دینا ہے۔ ایسے ماحول میں آدمی کو حد درجہ محتاط ہو کر رہنا چاہیے۔ ایسے ماحول میں جو لوگ غیر ذمہ دارانہ باتوں کو پھیلائیں وہ گویا اسلامی ماحول کی خدا پرستانہ فضا کو خراب کر رہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں زہر گھول رہے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کے نزدیک سخت ترین مجرم ہیں۔ دنیا میں اگر وہ اپنی برأت کے لیے الفاظ

پالیں تو اس بنا پر ان کو ہرگز دھوکے میں نہ رہنا چاہیے کہ وہ خدا کے یہاں بھی اپنی برأت کے لیے الفاظ پالیں گے۔ آخرت حقیقتوں کے کھل جانے کا مقام ہے۔ وہاں صرف وہ شخص بری الذمہ ٹھہرے گا جو حقیقت کی سطح پر جیے۔ جو حقیقت سے انحراف کرے وہ آخرت میں اس طرح پہنچے گا کہ وہاں اس کے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی۔

6۔ اس قسم کے کسی واقعے کا پیش آنا بظاہر ایک ناپسندیدہ بات ہے۔ مگر اس میں خیر کا پہلو بھی چھپا ہوا ہے۔ اس قسم کے ایک واقعے کے درمیان یہ ثابت ہوتا ہے کہ کون ذمہ دار ہے اور کون غیر ذمہ دار۔ کون اپنے سینے میں دوسرے بھائیوں کی خیر خواہی لیے ہوئے ہے اور کون ہے جس کے دل میں دوسروں کے لیے حسد اور بغض بھرا ہوا ہے۔ کون اللہ کی جواب دہی کے احساس کے تحت بولتا ہے اور کون جواب دہی کے احساس سے خالی ہو کر کلام کرتا ہے۔ اس طرح ایک طرف یہ ہوتا ہے کہ ان واقعات کے ذریعہ بد باطن لوگوں کا بد باطن ہونا کھل جاتا ہے۔ دوسری طرف اہلِ حق کو یہ موقع ملتا ہے کہ وہ خدا کی توفیق سے صبر کی روش پر قائم رہیں اور اللہ کی مزید عنایتوں کے مستحق بنیں۔

7۔ اس واقعے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حق کی دعوت جب بے آمیز شکل میں پیش کی جائے تو وہ لوگ کتنے زیادہ اس کے مخالف ہو جاتے ہیں جن پر اس دعوت کی زد پڑتی ہو۔ ان مخالفین میں ایک تو عام دنیا دار ہوتے ہیں۔ وہ بھی اگرچہ ایسی تحریک کے مخالف ہوتے ہیں، مگر ان کی مخالفت ایک دائرے کے اندر رہتی ہے۔ وہ داعی کو ناکام بنانے کے لیے زور لگاتے ہیں مگر اس کو بے عزت کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ غزوۂ احد کے واقعات میں آتا ہے کہ مکہ سے کافروں کا جو لشکر مدینہ پر

چڑھائی کرنے کے لیے روانہ ہوا تھا، وہ راستے میں ابواء کے مقام پر پہنچا جہاں پیغمبرِ اسلام کی والدہ آمنہ بنت وہب کی قبر تھی۔ قریش کے کچھ پُر جوش لوگوں نے چاہا کہ قبر کو کھودیں اور پیغمبر کی ماں کی بے حرمتی کریں۔ مگر خود قریش کے لوگوں نے ان کو برا بھلا کہا اور ان کو اس ارادے سے روکا (اخبار مکہ للازرقی، جلد 2، صفحہ 272)۔ وہ پیغمبر سے لڑنے جارہے تھے مگر ان کی بے حرمتی کے لیے کوئی پست طریقہ اختیار کرنا ان کو گوارہ نہ ہوا۔ مگر یہود جو اپنے کو حق کا اجارہ دار سمجھتے تھے ان کا معاملہ اس سے مختلف تھا۔ انھوں نے بعض چیزوں کو بہانہ بنا کر آپ پر رکیک حملے کیے اور آپ کو اخلاقی حیثیت سے گرانے کی کوشش کی۔ مذکورہ تہمت طرازی کے اصل ذمہ دار یہی لوگ تھے۔ جو لوگ اپنے کو حق کا واحد نمائندہ سمجھتے ہوں، جب وہ اپنی حیثیت پر زد پڑتی ہوئی محسوس کرتے ہیں تو ان کا ردِّ عمل بے حد شدید ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف ایسی تحریک کا زور توڑنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اس کے داعی کو بے عزت کرنے کی مہم بھی چلاتے ہیں۔ وہ اپنی مذہبی قیادت کو بچانے کے لیے ہر چیز کو اپنے لیے جائز کر لیتے ہیں خواہ وہ کوئی ذلیل حرکت یا کوئی پست کارروائی کیوں نہ ہو۔ (الرسالہ، مئی 1980)

دین کے نام پر بے دینی

مدنی دور میں ایک بار ایک خلاف عادت واقعہ پیش آیا۔ اس کا تعلق حضرت عائشہ صدیقہ سے تھا۔ اس واقعہ کو خود ساختہ مفہوم دے کر کچھ لوگوں نے ایک بیہودہ افسانہ بنایا۔ یہ لغو افسانہ فوراً ہی سارے مدینہ میں پھیل گیا۔ اپنے خیال میں وہ اشاعت حق کر

رہے تھے مگر اصل حقیقت کے اعتبار سے وہ صرف اشاعت باطل تھی۔ چنانچہ وہ کیفیت ہوگئی جس کو قرآن (24:15) میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: جب کہ تم اس جھوٹ کو اپنی زبانوں سے نقل درنقل کررہے تھے (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)۔ یہ فتنہ صرف اس وقت ختم ہوا جب کہ سورۃ النور اتری اور براہ راست آسمانی وحی کے ذریعہ اس کی تردید کردی گئی۔

اس سلسلہ میں سورہ النور میں مسلمانوں کو کچھ ہدایات دی گئیں تاکہ وہ آئندہ اس قسم کی مجرمانہ غلطی کا اعادہ نہ کریں۔ ان میں سے ایک خاص ہدایت یہ تھی۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ بات سنی تو مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کی بابت خیر کا گمان کرتے اور کہہ دیتے کہ یہ تو ایک کھلا ہوا بہتان ہے (النور، 24:12)۔ اس کی تفسیر میں ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یعنی اس بات کو وہ خود اپنے اوپر قیاس کرتے۔ پس اگر وہ خود ان کے لیے مناسب نہ تھا تو ام المومنین زیادہ مستحق ہیں کہ وہ اس سے بری ہوں (تفسیر ابن کثیر، جلد 3، صفحہ 273)۔

جب کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان کے بارے میں کوئی بدگمانی پیدا ہو تو پہلے ہی مرحلہ میں یہ سوچ کر اس کو رد کردینا چاہیے کہ کیا میں ایسا کرسکتا ہوں اور جب اس کا ضمیر یہ کہے کہ میں تو ایسا نہیں کروں گا تو اسی پر قیاس کر کے سمجھ لینا چاہیے کہ دوسرے مسلمان نے بھی یقیناً ایسا نہیں کیا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے مواقع پر ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ کون واقعی صاحب ایمان ہے اور کون ایمان کا صرف دعویدار ہے۔ کسی کے دین پر قائم ہونے کا ثبوت یہ نہیں کہ وہ انقلاب خیر کا نعرہ لگاتا ہو۔ اس کا اصل ثبوت یہ ہے کہ وہ خود عملاً ظن خیر کے مذکورہ قرآنی اصول پر قائم ہو۔ انقلاب خیر کا نعرہ لگانا صرف دین

کے نام پر لیڈری ہے اور ظن خیر کے اصول پر خود قائم ہونا حقیقی معنوں میں دین خداوندی کی پیروی حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ قصہ تذکیر القرآن یا تفسیر کی دوسری کتابوں میں سورۃ النور کی تفسیر کے تحت دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں اس کی تفصیلات نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

قابل لحاظ بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ معروف طور پر مدینہ کی ایک باعزت خاتون تھیں۔ ان کی پوری زندگی اسلام کی خدمت میں گزری تھی۔ مدینہ کے کچھ لوگوں نے آپ کے ایک واقعہ کو لے کر اس کوشوشہ بنایا اور اسے آپ کو بدنام کرنے کے لیے استعمال کیا۔ مگر انہیں لوگوں نے کبھی یہ نہیں کیا تھا کہ وہ حضرت عائشہ کی اعلیٰ دینی خدمات کا چرچا کریں۔ ان کی مجلسیں حضرت عائشہ کے تذکرہ سے اس طرح خالی تھیں جیسے کہ مدینہ میں نہ کوئی عائشہ ہیں اور نہ ان کی کوئی دینی خدمات۔

مگر جیسے ہی انہیں حضرت عائشہ کے بارے میں ایک ایسی بات ملی، جس کو خود ساختہ مفہوم دے کر وہ اس کو آپ کے خلاف استعمال کر سکیں، تو بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ان کا پورا گروہ متحرک ہو گیا۔ اس نے اپنے تمام ذرائع کو استعمال کر کے اس جھوٹے قصہ کو پھیلایا۔ انہوں نے ایک ایک شخص کے کان میں اس کو ڈال کر اسے حضرت عائشہ سے بدگمان کرنے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ پورے مدینہ کو ان کے خلاف بدگمانیوں اور افواہوں سے بھر دیا۔ اپنے خیال کے مطابق، یہ لوگ ایک ’’واقعہ‘‘ کی اشاعت کر رہے تھے، مگر اللہ کے نزدیک وہ بدترین قسم کے مجرم تھے۔ ایسا کر کے وہ خدا کے دین کی کوئی خدمت نہیں کر رہے تھے بلکہ صرف شیطان کے مقصد کو پورا کر رہے تھے۔

ایک شخص جو اللہ کی پکڑ سے ڈرتا ہو، اس پر فرض کے درجہ میں لازم ہے کہ وہ حقائق کی بنیاد پر رائے قائم کرے نہ کہ شوشوں کی بنیاد پر۔ اگر کبھی کوئی غلط فہمی ہو جائے تو متعلقہ شخص سے مل کر اپنی غلط فہمی کو دور کیا جائے، نہ کہ اس کو حقیقت سمجھ کر اس کا عمومی چرچا کیا جانے لگے۔

اسی قسم کے کردار کا نام منافقانہ کردار ہے اور قرآن کے مطابق، منافقانہ کردار والے لوگوں کے لیے کافروں سے بھی زیادہ سخت سزا مقرر ہے، الا یہ کہ وہ توبہ کریں اور کھلے طور پر اپنی مجرمانہ روش کا اقرار کر کے متعلقہ اشخاص سے معافی مانگیں۔ (الرسالہ، فروری 1999)

ایک مثالی نمونہ

اسلامی تعلیمات کے لیے ایک مثالی نمونہ عائشہ بنت ابی بکر الصدیق کا ہے۔ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی اہلیہ تھیں۔ وہ پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد تقریباً پچاس سال تک زندہ رہیں، اور پیغمبر اسلام کے بعد لمبی مدت تک لوگوں کو اسلام کا حکیمانہ پیغام پہنچاتی رہیں۔ وہ ریکارڈنگ کے زمانے سے پہلے پیغمبر اسلام کی تعلیمات کا زندہ ریکارڈ بنی رہیں۔ اُن کی اسلامی معرفت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اصحابِ رسول اُن سے علمِ دین سیکھنے کے لیے دور دور سے آتے تھے۔

حضرت عائشہ کی زندگی تمام خواتین کے لیے ایک اعلیٰ نمونے کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت عائشہ نے انتہائی سادہ زندگی اختیار کی۔ معاشی اور مادی معاملات میں انھوں نے آخری حد تک قناعت کا طریقہ اختیار کیا۔ اِس طرح ان کو یہ موقع ملا کہ وہ پیغمبر اسلام

ﷺ کی رفاقت سے کامل فائدہ اٹھائیں۔ انھوں نے اپنی زندگی پیغمبر اسلام سے علمِ دین سیکھنے میں وقف کردی۔ اِس بنا پر حضرت عائشہ کو یہ موقع ملا کہ وہ پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد لمبی مدت تک تمام لوگوں کے لیے دین کی معلّم بنی رہیں۔

یہی امکان تمام خواتین کے لیے کُھلا ہوا ہے۔ اگر وہ سادہ زندگی اختیار کریں، اپنے آپ کو دین کا علم سیکھنے میں وقف کردیں تو اُنھیں بھی خدا کی نصرت حاصل ہوگی، اور وہ لوگوں کے لیے اُسی طرح رحمت بن جائیں گی، جس طرح حضرت عائشہ اپنے زمانے میں بنیں۔ (الرسالہ، فروری 2008)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت عائشہ کا شمار تاریخِ اسلام کی نمایاں شخصیات میں ہوتا ہے۔ ان کی زندگی اس حقیقت کی روشن مثال ہے کہ علم اور دینی شعور میں بلند مقام حاصل کرنے کے مواقع مرد اور عورت دونوں کے لیے یکساں ہیں۔ انھیں کم عمری ہی سے مسلسل نو برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت حاصل رہی۔ ان کی دینی معرفت اتنی گہری تھی کہ اصحابِ رسول بھی ان سے دین کا علم سمجھنے کے لیے آتے تھے۔ زیرِ نظر کتابچے میں حضرت عائشہ کی شخصیت کے اسی علمی و ربانی پہلو کو پیش کیا گیا ہے۔

Goodword Books
CPS International

ISBN 978-93-49952-12-6